اشرف المواعظ



حضرت مولانا اشرف علی تھانوی

دار الکتاب دیوبند

مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ

اَشرفُ المواعِظ

کامل چار حصّے

از

حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہ

مرتبہ

مولانا حکیم محمد مصطفی بجنوریؒ

ناشر

دار الکتاب دیوبند

تفصیلات

نام کتاب	اشرف المواعظ
مؤلف	حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
مرتب	مولانا حکیم محمد مصطفےٰ بجنوریؒ
تعدادِ صفحات	۱۶۴
سن اشاعت	اکتوبر ۲۰۰۱ء
کمپیوٹر کتابت	یاسر ندیم کمپیوٹرس دیوبند
طباعت	یاسر ندیم پرنٹنگ آفسیٹ پریس دیوبند

ناشر

دار الکتاب دیوبند

فہرست اشرف المواعظؒ

ے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے یہ مشہور مواعظ مطبع مجیدی کانپور سے علیحدہ علیحدہ حصوں میں شائع ہوئے تھے، ہم نے قارئین کی سہولت کی خاطر ان چاروں کو جمع کر کے یکجا شائع کر دیا ہے۔

امید ہے قارئین ہماری اس خدمت کو شرف قبولیت بخش کر ہمارے لئے دعائے خیر فرمائیں گے۔

دیباچہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

امابعد کہتا ہے احقر الوریٰ محمد مصطفےٰ بجنوری تلمیذ ناچیز مولانا مقتدانا قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب حنفی تھانوی مدظلہ کہ اتفاقاً مولانا ممدوح بتقریب امتحان سالانہ مدرسہ قاسم العلوم ایک ہفتہ کے لئے تشریف فرمائے مراد آباد ہوئے اور باصرار شائقین اس عرصہ میں چند عام پسند اورنہایت عمدہ وعظ ارشاد فرمائے چونکہ وعظ میں بہت سے مضمون ایسے بیان ہوجاتے ہیں کہ نہ وہ یاد رہ سکتے ہیں نہ کہیں کتابوں میں ملتے ہیں اس لئے احقر خیال ہوا کہ کسی طرح یہ سب وعظ قلمبند ہوجائیں کہ وقتاً فوقتاً ان کے مطالعہ سے تجدید ہدایت ہوا کرے اور مولانا مدظلہ کی یادگار رہے بایں خیال اس ناکارہ نے ہر موقع پر پہونچ کر گوشہ میں بیکسوئی خاطر بیٹھ کر جملہ وعظوں کوتحریر کیا کوشش تو یہ کی کہ لفظ بلفظ لکھ لے ایک حرف کا بھی تغیر نہ ہو مگر ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ تقریر وتحریر میں بڑا فرق ہے کہ کہیں کہیں الفاظ فرمودۂ زبان فیض ترجمان بحسنہ ضبط میں نہ آسکے کچھ کچھ تغیر ان میں ہوگیا تاہم حق سبحانہٗ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ کوئی مضمون واگذاشت نہیں ہوا۔

احقر کا ارادہ چھپوا کر شائع کرنے کا نہ تھا مگر اتفاقاً حضرت تصوف پناہ معرفت دست گاہِ مقتدائے زماں جناب حافظ شاہ عبدالرحمٰن صاحب رونق افروز حال مردآباد محلّہ پرغیب مدظلہ العالی کی مجلس بابرکت میں ذکر آ گیا کہ اس ناکارہ کے ہاتھ پر مولانا مدظلہم کے چند وعظ ضبط میں آگئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے بمضمون ؎

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

سننے کا اشتیاق ظاہر فرمایا احقر نے دو وعظ سنائے جن میں سے ایک وہ تھا کہ حضرت شاہ صاحب بھی اس میں بروقت بیان شریک تھے سن کر بہت محظوظ ہوئے اور فرمایا کہ ماشاءاللہ مجلس وعظ کا لطف تازہ ہوگیا اور دعائے برکت فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ چھاپ دیئے جائیں تو کیا عجب ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ اپنے بہت سے بندوں کو مستفیض فرمادیں۔ اس لئے بہ تعمیل ارشاد حضرت شاہ صاحب کے ان سب وعظوں کو اول مرتبہ خود احقر نے چھپوا کر ہدیہ شائقین کیا۔

ماہر فن تقریر وتحریر جانتے ہیں کہ کلام میں بروقت تقریر بعض امور زاوئد مثل تبدیل لہجہ ورفع وخفض صوت کے مل جانے سے ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے جو تحریر کرنے سے اس کلام میں نہیں آسکتا اور سابق میں عرض کیا گیا کہ کاتب الحروف نے حتی الامکان ہر وعظ کے لفظ بلفظ محفوظ کرنے کی کوشش کی تھی اور بفضلہٖ تعالیٰ اس میں کامیابی بھی ہوئی تو اس مجموعہ میں لفظ بلفظ نقل ہونے کی وجہ سے نہ کتاب ہی کا لطف پیدا ہوا نہ ان امور زوائد کے محفوظ رکھنے کا کوئی کافی طریقہ تھا کہ بیان کا لطف پورا باقی رہے اور کاتب الحروف کو منظور یہ تھا کہ بالکل کتاب ہی کی طرح نہ ہو جائے بلکہ سلیس ہونے کے ساتھ سامعین کو وعظ کا بھی مزہ دے اس لئے ہر ہر جملہ کچھ کچھ تغیر کا محتاج تھا اور اپنی رائے سے یہ تغیر کرنے میں بہت سی جگہ اصل مطلب کے بدل جانے کا احتمال تھا اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ حضرت واعظ صاحب ہی کو یہ تکلیف دی جائے کہ نظر ثانی سے تصحیح فرمادیں۔ بایں خیال احقر اس فکر میں تھا کہ کوئی ذی استعداد شخص اس کام کو اپنے ذمہ لے کہ مولانا مدظلہٗ کو تھوڑا تھوڑا سنا کر صحیح کرلے کہ حسب اتفاق بندہ کے ایک مخلص دوست مولوی نصر اللہ صاحب مرادآبادی بارادۂ قیام چند روز عزم فرمائے خدمت بابرکت حضرت مولانا ممدوح ہوئے خاکسار نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مسودہ ہائے وعظ ان کے حوالہ کئے چنانچہ انھوں نے نہایت توجہ سے اس کام کو انجام دیا بلکہ اس اپنے قیام کے زمانے میں مولانا مدفیضہ کے دو وعظ اور قلمبند کرلئے اور ان کو بھی حضرت موصوف کو سنا کر صحیح کرلیا اور لاکر بندہ کو اس ہدیہ سنیہ سے معزز وممتاز فرمایا۔ جزاہ اللہ وایانا فی الدارین خیراً۔

اب یہ مختصر چار وعظوں کا مجموعہ ہوگیا۔ اور چونکہ مولانا مدظلہ کے وعظ میں ایسے مضامین بیان ہوتے ہیں کہ دیگر وعظوں میں کبھی نہیں سنے جاتے اس واسطے اس کا نام اشرف المواعظ رکھا گیا۔ فالحمد لله الذی بعزته وجلاله تتم الصالحات والصلوٰة والسلام علی سیدنا محمدؐ صاحب الآیات البینات۔

اطلاع: یہ بھی جان لینا چاہئے کہ مولانا مدظلہٗ کا طریقۂ وعظ یہ ہے کہ پہلے دعا مانگ کر خطبۂ ماثورہ پڑھتے ہیں پھر اما بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر کسی آیت یا حدیث سے وعظ شروع کرتے ہیں پورا خطبہ صرف یہاں پہلے وعظ میں لکھا جاتا ہے پھر وعظ کے شروع میں لفظ خطبہ ماثورہ پر اکتفا کیا جائے گا۔

(دیباچه بقیہ حصص)

بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ احقر نے اس وعظ کو بروقت بیان قلم بند کیا پھر صاف کر کے حضرت واعظ صاحب مدظلہم کی خدمت میں بنظر تصحیح بھیجا حضرت نے کہیں کہیں کسی مضمون کی نقل درست نہ پائی اس کو تو ہر جگہ اپنے قلم مبارک سے بہ بتدیل عبارت یا تغیر یا ایزاد یا اسقاط درست فرما دیا جہاں مضمون صحیح لیکن عبارت کو بوجہ تقدیم و تاخیر الفاظ غیر موزوں پایا اکثر ان مواقع کی بھی اصلاح فرما دی مگر چونکہ یہ مواقع زیادہ تھے اس لئے احقر ہی کو نظر ثانی کا حکم دیا گیا اور اجمالاً یہ تحریر فرما دیا (میرے بنائے ہوئے مقامات کی تخصیص نہ کی جائے تبییض کے وقت سب جگہ اس کا لحاظ رہے کہ ترتیب اجزائے جملہ کی اردو محاورہ کے موافق ہوتا کہ ناظرین کو بے لطفی نہ ہو) لہٰذا ناظرین سے التماس ہے کہ مضامین پر تو پورا اطمینان رکھیں اور عبارت جہاں کہیں خلاف محاورہ پائیں اس کو اس حقیر کی کم فہمی پر محمول فرمائیں اور حضرت واعظ صاحب مدظلہ کی طرف نسبت نہ کریں کیونکہ جس کسی نے ایک وعظ بھی حضرت مولانا مدظلہ کا سنا ہے وہ اس کی تصدیق اچھی طرح کر سکتا ہے کہ حضرت کا وعظ باعتبار موزونیت الفاظ و ترتیب جمل وربط مضامین و باعتبار ترغیب و ترہیب خارق عادت اور معجز نما ہوتا ہے کہیں تغییر و تبدیل کی ضرورت تو کیا گنجائش بھی نہیں ہے۔

احقر الوریٰ محمد مصطفےٰ

اشرف المواعظ حصہ اوّل

پہلا وعظ(۱)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

(خطبۂ ماثورہ) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ نَحۡمَدُهٗ وَنَسۡتَعِيۡنُهٗ وَنَسۡتَغۡفِرُهٗ وَنُؤۡمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيۡهِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَ مِنۡ سَيِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ يَّهۡدِى اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنۡ يُّضۡلِلۡهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ وَنَشۡهَدُ اَنَّ سَيِّدِنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ.

پہلے یہ عرض کئے دیتا ہوں کہ وعظ سننے سے لوگوں کے اغراض متفاوت ہوتے ہیں بعض کی غرض صرف مجمع کی شرکت ہوتی ہے۔ اور بعض کی غرض مجلس خیر کی برکت ہوتی ہے اور بعض کی غرض اپنے امراض کا علاج ہوتی ہے اس طرح پر کہ وعظ جو کہتا جائے اس کو اپنے احوال پر منطبق کر کے دیکھتے جائیں۔ اور غرض در حقیقت یہی ہونی چاہئے۔ رہی یہ بات کہ اپنے امراض خفیہ ہر شخص کو کب معلوم ہو سکتے ہیں جن کو وہ مضامین وعظ پر منطبق کر سکے تو اصل یہ ہے کہ ہر مومن کے واسطے خواہ وہ کتنا ہی ضعیف کیوں نہ ہو ایک نور عظیم ہے کہ جس سے اپنے نفع اور ضرر کو دیکھ سکتا ہے جیسے شمع ہوتی ہے کہ اس میں کم وبیش نور ضرور ہوتا ہے مگر اس بصیرت کے لئے اتباع دین کا قصد غرور شرط ہے جو کوئی دین کا اتباع کرتا ہے نور عقل کے ساتھ وہی دیکھ سکتا ہے اور آج کل حال اس کے خلاف

---

(۱) قدوۃ المحققین زبدۃ المدققین حضرت مولانا ومقتدانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی حنفی مدظلہم العالی نے یہ وعظ مقام مراد آباد محلہ کسرولی مولوی نصر اللہ صاحب کے مکان پر بماہ شعبان ۱۳۱۹ھ بیان فرمایا کل وقت دو گھنٹہ ۱۲۔

ہو گیا ہے لوگ عقل کا اتباع کرتے ہیں اور دین کو اس کے تابع بناتے ہیں۔
امام غزالی نے لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ احکام مقصود بالذات نہیں ہیں صرف مصالح خاصہ سے حکم کر دیا ہے مثلاً جماعت کی فضیلت مطابق واقع کے نہیں ہے صرف ترغیباً ثواب کا وعدہ ہو گیا ہے اس لئے یہ سن کر کہ بغیر جماعت کے بھی نماز ہو جاتی ہے خوش ہو جاتے ہیں۔ خیال کیجئے کہ تاجر بازار میں بیٹھ کر دو چند نفع کے ساتھ فروخت کر سکتا ہے اور گھر پر فروخت کرنے سے کچھ تھوڑے نفع سے فروخت کر سکتا ہے پھر گھر پر کسی کو فروخت کرتے دیکھا ہے امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ یہ کفر خفی (۱) ہے۔
کفر کبھی خفی بھی ہوا کرتا ہے کہ خود اس شخص کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا لوگوں کا گمان ہے کہ کبھی ایمان بوقت موت سلب ہو جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ بوقت موت ایمان سلب نہیں ہوتا اس واسطے کہ موت کے وقت تو آدمی مسلوب الحواس ہوتا ہے جو قواعد شرع کے مطابق مرفوع القلم ہے جب حالتِ اضطرار میں کلمۂ کفر زبان سے نکلنا معاف ہے تو ایسی حالت میں موجب کفر کیسے ہو سکتا ہے۔ اور عقلاً بھی وہ بیچارہ ایسی حالت میں واجب الرحم ہے اس وقت سلب ایمان بالکل مستبعد ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ ایسے ایسے عقیدے کر کے پہلے ہی سے کافر ہو جاتا ہے مگر تمیز نہیں ہوتی۔ موت سے پہلے ہی ایمان رخصت ہو چکتا ہے البتہ ظہور سلب اس وقت ہوتا ہے اور آدمی کافر مر جاتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ غرض محمود وعظ سننے سے اپنے احوال کی اصلاح اور ان پر واعظ کے اقوال کو تطبیق دینا ہے۔ اگر اس اصلاح کی کوشش میں مر بھی جائے گا تو صالح ہو گا یہ تمہید ہوئی۔ اب سنئے کہ اللہ میاں نے شکایت کی ہے بندوں کی غفلت کی کہ ان کا حساب بہت قریب آن لگا اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں۔
اور شکایت محبت کی ہی ہوا کرتی ہے اس غرض سے کہ وہ اس کی اصلاح کر لے۔ شکایت سے قطع تعلق منظور نہیں ہوا کرتا جب قطع تعلق منظور ہوتا ہے تو شکایت نہیں کیا کرتے دشمن کی شکایت کیا وہ تو دشمن ہی ہے جو کچھ کرے تھوڑا ہے اس کے مقابلہ میں صاف جواب ہوا کرتا ہے تو شکایت کرتے ہیں اور قطع نہیں کرتے بلکہ ان کو جمع کرتے ہیں واللہ یدعوا الی دار السلام اور یہ کتنی بڑی رحمت ہے کہ بلا اپنی کسی غرض

(۱) احکام کی بنا مصالح پر سمجھنا کفر خفی ہے۔

ومنفعت کے ہم کوسنوارنا چاہتے ہیں۔ شعر

من نکردم خلق تا سودے کنم

بلکہ تا بربندگاں جودے کنم

اس شعر بعض لوگ یوں خیال کرتے ہیں کہ اللہ میاں کو ہمارے اعمال کی کوئی ضرورت نہیں پھر کیوں تکلیف دی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مریض یوں کہے کہ طبیب کو میری علت کی کیا ضرورت ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ بیمار کبھی اچھا ہوگا اور یہ خیال اس کا اچھا خیال ہے۔ مریض کبھی خیال نہیں کرتا کہ میں طبیب پر بڑا احسان کرتا ہوں اور عابد کو یہ خیال ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ عبادت اللہ میاں کا کام ہے پھر یہ عنایت دیکھو کہ اللہ میاں نے پہلی امتوں کو ایک ہی مرتبہ ایک کتاب جامع دے دی کہ جس میں تمام امراض لکھے ہوئے تھے اور یہ بندوں کے سپرد کر دیا کہ حسب ضرورت اس میں سے نکال لو اور اس امت کو ایک ایک نسخہ کر کے مرحمت فرمایا۔ مرض مرض کے موافق جیسے ایک طبیب کہ ابتدائے علاج سے انتہاء تک حسب ضروریات جزئیہ ایک ایک نسخہ مریض کو دیتا ہے یہ زیادہ شفقت ہے اور زیادہ رحمت ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ رحمت کہ ہماری نگرانی معالجہ کے لئے کیسے شفیق پیغمبر ؐ کو مبعوث فرمایا (فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِنَ اللّٰهِ لِنۡتَ لَهُمۡ) آپ صرف خدائے تعالیٰ کی رحمت سے اس قدر مہربان ہیں پھر لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس محبت کی کیا قدر کی۔ بے حد شفیق اور نرم تھے آپ۔ حد ہے اس کی کہ اللہ میاں نے آپ کو جاھد الکفار کا امر فرمایا کہ بہت نرمی کیجئے کچھ تو شدت وغلظت چاہئے۔ کبھی برائی تو کسی کی چاہی ہی نہیں اگر کبھی بمقتضائے بشریت تمہارے نقصان کی دعا مانگی بھی تو پہلے عہد کر لیا ہے خداوند تعالیٰ سے کہ اس دعاء کو موجب رحمت کر دیا کریں نہ کہ موجب نقصان آپ کی دعا تو دعا بددعا بھی دعا ہے اور یہ حضور کی رحمت ہے کہ صرف زبانی اصلاح نہیں فرمائی بلکہ خود مشقت اٹھائی آپ کو کبھی یہ خیال نہ ہوا کہ عبادت کی کیا ضرورت ہے حالانکہ ما تقدم وما تأخر سب کو حضور کو عفو کر دیئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ اس قدر قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک ورم کر جاتے اور فرماتے (افلا اکون عبداً شکوراً) حضور کا باوجود مغفور ہونے کے یہ حال تھا۔ پھر ہمیں کیا ہوا حالانکہ ہم مغفور قطعی ہیں بھی نہیں حضور کے

شکراً عبادت کرنے پر قصہ یاد آیا۔ ایک بزرگ نے ایک پتھر کو دیکھا رو رہا ہے۔ بہت رحم آیا اور بذریعہ کشف معلوم کیا کیوں روتا ہے اس نے کہا کہ جب سے یہ آیت اتری ہے "وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" تب سے برابر رو رہا ہوں ان بزرگ نے دعا مانگی کہ اللہ میاں اس پتھر کو تو دوزخ سے بچا ہی دیا جاوے دعا قبول کر لی گئی اس پتھر کا آپ نے اطمینان کر دیا پھر ایک مرتبہ جو گزر ہوا دیکھا کہ اور زیادہ رو رہا ہے بڑا تعجب ہوا پوچھا کہ اب بھائی کیوں رو رہا ہے اب تو تیری نجات ہوگئی تو جھٹ سے کہا واہ۔ جس عمل سے ایسا بڑا ثمرہ ہو اس کو اور زیادہ کیوں نہ کروں غرض عبادت میں سرتا سر اپنا نفع ہے اور خیال لوگوں کا یوں ہے کہ عبادت ایک اللہ میاں کا کام ہے بوجھ سا اتار دیا۔ ہمارے نفس یہ سب حیلہ کرتے ہیں دین کے چھوڑ دینے کے لئے پھر دعوے ایمان۔ شعر

وجائزة دعویٰ المحبة فی الهویٰ
ولكن لا يخفىٰ كلام المنافق

مومن کے لوازم سے ہے محبت۔ ایمان کا دعوے جب ہی کیا جا سکتا ہے جب محبت ہو (وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لله) لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ (اَلْحَدِيْث). دوسری حدیث ہے (لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْن هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ) یعنی مومن نہیں ہوسکتا ہے تاوقتیکہ اس کی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جاوے جس کے کہ آج کل لوگوں نے بالکل برعکس کر رکھا ہے کہ احکام شرع کو اپنی ہوا کے تابع بنانا چاہتے ہیں۔ اور چونکہ محبت کی حقیقت انجذاب قلب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں اللہ و رسولؐ کی طرف انجذاب ہونا چاہئے قلب کو لیکن ابتدا میں اگر کسی انجذاب نہ بھی ہو تو اس کا غم نہ کرے بلکہ ظاہر کے (۱) لئے باطن میں ضرور ایک تاثیر ہے۔ بتکلف اتباع کیے جاوے انجذاب خود پیدا ہو جاوے گا عادت اللہ یوں ہی جاری ہے کہ طالب مطلوب ہو جاتا ہے۔ ہمارے ذمہ جو حقوق ہیں ان کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اگر ادھر سے انجذاب و لطف بھی نہ ہوتا تب بھی ہماری طرف سے طلب ہی جاری و دائم رہتی اگرچہ ادھر سے انکار ہی ہوتا مگر نہیں ادھر سے انکار نہیں طلب ہے اور لوگوں کا معاملہ اللہ میاں کے معاملہ کے برعکس ہے کہ وہ بلا رہے ہیں

(۱) اصلاح ظاہر موجب اصلاح باطن ہے۔

اور یہ اعراض کرتے ہیں اس واسطے شکایت کرتے ہیں نہ قطع کے لئے بلکہ ع ویبقی الود ما بقی العتاب محبت جب ہی تک رہتی ہے جب تک شکوہ شکایت رہے۔ فرماتے ہیں: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ۔

لوگوں کا حساب بہت قریب آ گیا اور ان کو کچھ خبر نہیں، نہ کچھ مافات کی تلافی کرتے ہیں، نہ آئندہ کے لئے احتیاط۔ ہر بات میں جو معاملہ ہمارا ان کے ساتھ ہے وہ اس کے برخلاف ہی کرتے ہیں ہمارے امر و نہی پر مطلقاً نہیں چلتے نہ اقوال میں نہ افعال میں نئے نئے اقوال و افعال اپنی طرف سے اختراع کر لئے ہیں اور پھر ان کو ہماری خوشنودی کا موجب سمجھتے ہیں ہزارہا امثلہ اس کے ہیں جیسے سویم و چہلم وغیرہ۔ مشہور حدیث ہے (اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ) اب دیکھ لیجئے آپ کہ افعال مروجہ میں نیت کیا ہے فقط ریا اور دکھلانا برادری کو کہ ہم نے فلانے کی موت ایسی کی۔ کہا کرتے ہیں اے میاں روپیہ دو روپیہ کے چنوں کے لئے نک کٹی کراتے ہو معلوم ہوا کہ صرف نک کٹی کا خیال اس کو موجب ہوتا ہے۔ جب اس کام میں صرف نیت ریا کی ہے تو ثواب کیسا اور جب فاعل کو ثواب نہ ہوا تو موہوب لہ کو کیا چیز پہونچے گی اور جو کوئی اس سے منع کرے تو کہتے ہیں کہ واہ صاحب ایصال ثواب سے منع کرتے ہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ منع کرنے والا ایک طریق سے منع کرتا ہے اور دوسرا طریق ایصال ثواب کا بتلاتا ہے جیسے کہ اس وقت حج بمبئی (۱) سے منع ہو گیا اور چاٹ گام سے اجازت ہے دوسرا طریق یہ ہے کہ جتنا روپیہ سویم و چہلم میں صرف کرتے ہو محتاج بیواؤں کو خفیہ طور سے دے دو دیکھو کتنا ثواب ہوتا ہے۔ مگر بڑا خیال تو یہ ہے کہ برادری کیا کہے گی چار چار دانہ برادری کو ملنے چاہئیں تا کہ اعلان ہو جاوے چاہے بھلا ایک کا بھی نہ ہو۔ طرح طرح کے دستور باندھ رکھے ہیں مثلاً جمعرات (۲) کا دن آیا اب آج تلاش پڑی کہ لاؤ مسجد کے ملا کو فاتحہ دینے کے واسطے چاروں طرف سے حلوے اور مٹھائی کی بھر ماری ہو رہی ہے ہفتہ کے اور چھ دن میں تو بیچارے کو کوئی پوچھتا بھی نہیں بچی کچی روٹی اور بگڑا ہوا سالن غریب کے لئے ہے اور آج ساتویں دن کا تمنائیں کرتے کرتے یہ دن آیا کہ

(۱) طاعون کی وجہ سے ایسا ہوا تھا اس کے بعد بمبئی سے پھر اجازت سرکاری ہو گئی۔ ۱۲
(۲) جمعرات کی فاتحہ

ایک سالن سے دوسرا سالن اسے ملے گا مگر وہ یوں بے کار ہے کہ ایک دم سے اتنا آن پڑا کہ سب کھا نہیں سکتا اور ہفتہ بھر تک رکھا بھی نہیں جا سکتا بگڑ جاوے گا بے چارہ اس کو سکھاتا ہے اور پھینکی بنا کر نگلتا ہے۔ جو چیز سکھانے کے قابل نہیں جیسے حلوا اور تر چیز تو اس کو محلہ والوں سے چھپا کر بیچ لیتا ہے۔ خیال تو کیجئے کہ اس کی نیت بگڑی اور آپ کا مال ضائع گیا۔ اگر بجائے اس کے کہ جمعرات ہی کو خیرات کریں اور دنوں میں بھی کوئی نئی چیز اس کے پاس بھیج دیا کرتے تو اس کی نیت نہ بگڑتی اور نہ سکھانے کی نوبت آتی۔

یا دستور ہے کہ مردہ کے کچھ کپڑے اور جانماز وغیرہ مؤذن کو دی جاتی ہے اور ان کپڑوں کے دینے کا دستور اس طرح تاکید کے ساتھ ہے کہ چاہے گھر میں ان کے سوا اور کچھ اثاثہ نہ ہو اور اس کے بچے ننگے ہی رہ جاویں مگر رسم کے خلاف نہ ہو حالانکہ ترکہ میں وہ کپڑے بھی داخل ہیں اور ترکہ مشترک ہے بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں ان کے مال میں تبرع حرام ہے۔ بعض غائب ہوتے ہیں۔ بعض کا دینے کو جی نہیں چاہتا اور ان کی عمدگی دیکھ دیکھ کر لالچ آتا ہے مگر مجبوراً دیئے جاتے ہیں ورنہ برداری والے دیکھ کر کہیں گے کہ دیکھو مردہ کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور پھر اگر قیمتی ہیں اور مؤذن کے پاس پہونچے تو یوں ناس ہوا کہ وہ ان کی قدر نہیں جانتا بازار میں لے جا کر جس قیمت کو بکے فروخت کر دیتا ہے صاحبو اگر تقسیم کر کے جو بالغ حاضرین کے حصہ میں آوے اس کو وہ مالک نابالغوں کا حصہ محفوظ رکھ آپ خود بیچ کر قیمت خیرات کرتے یا بچیوں کو پہننے دیتے تو کیا جرم تھا۔ یا بعض جگہ دستور ہوتا ہے کہ میت کی قبر (۱) پر چالیس روز تک قرآن شریف پڑھواتے ہیں اور کچھ اجرت حافظ کو دینی پڑتی ہے اور اتنے دنوں کا کھانا بھی ملتا ہے اس میں سنئے تلاوت قرآن شریف پر اجرت لینا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فقہ میں لکھا ہوا ہے۔ تعلیم میں جو اس کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے تو اس ضرورت سے کہ لوگوں کو یوں تو پڑھانے کا شوق رہا نہیں اگر بالعوض تعلیم کو بھی منع کر دیا جائے تو قرآن شریف کے ضائع ہو جانے کا احتمال ہے اور مردہ کی قبر پر نہ پڑھوانے سے یہ احتمال، نہیں تو حرمت اصلیہ کی طرف راجع ہوگا جب عوض لے کر قرآن شریف پڑھا گیا تو قاری ہی کو ثواب نہ ہو پھر اس کے بخشنے کے کیا معنی یہ اجرت آپ کی ضائع ہوگی اور حافظ صاحب

(۱) میت کی قبر پر قرآن شریف پڑھوانا ۱۲۔

کے قلب پر جو کچھ اثر پڑا وہ الگ ہر وقت منتظر رہتے ہیں کہ کوئی مرے اور جہاں جنازہ دیکھا بس اطمینان ہو گیا کہ اب چالیس روز کا سہارا تو ہوا اور چلہ جوں جوں ختم ہوتا جاتا ہے ووں ووں دعا مانگتے جاتے ہیں مرے موٹا بھرے لوٹا۔ صاحبو یہ ساری خرابیاں کا ہے سے پیدا ہوئیں صرف پابندی رسم سے اگر حافظ صاحب کو یوں ہی کبھی دعوت کر کے عمدہ کھانا کھلا دیا کرتے اور اپنے کپڑوں میں سے کبھی کپڑا دے دیا کرتے تو کیوں وہ تمہارے مرنے کو تکا کرتے لیکن بجز موقع موت کے اس کی کوئی بات بھی نہیں پوچھتا اور خصوص مؤذن کو تو نوکروں اور چاکروں سے بھی ذلیل سمجھ رکھا ہے نہ معلوم اس طرف یہ بات ہے یا نہیں ہمارے قصبات میں تو محلّہ کا پانی تک اسی سے بھرواتے ہیں یوں دستور ہے اگر کسی کے مکان سے اصیل یا ماما مسجد کے کنویں پر گھڑا بھرنے کے لئے لائے اور مؤذن موجود ہو تو بہتر تو یہ ہے کہ وہ گھڑے کو بھر کر مکان تک پہونچائیں اور کم از کم اتنا واجب ہے کہ اپنے ہاتھ سے بھر کر اس اصیل کو دے دیں بے چارہ کو سینکڑوں گھڑے بھرنے پڑتے ہیں۔ کیا وہ اہل محلّہ کو نوکر ہے اگر اس کو روٹی دیتے ہو تو وہ اذان بھی کہتا ہے اور اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ مسجدوں میں طالب رہا کرتے ہیں وہ پڑھیں یا تمہارے گھڑے بھریں اور ایسے ہی بہت سے رواج اس قسم کے ڈال رکھے ہیں کہ صدہا خرابیوں کے باعث ہوتے ہیں تو وجہ کیا ہے کہ ان کا مفاسد پر نظر نہیں اور اسی لئے ان کی اصلاح کو ضروری نہیں سمجھتے اس بات کا خیال نہیں کہ ان پر بھی حساب ہوگا۔ اس کا خیال رکھو اور علماء کے پاس بیٹھو اور ان سے مناسبت پیدا کرو اور اپنے اقوال اور افعال کی ان سے پوچھ پوچھ کر اصلاح کرو پوچھنے میں شرم ہرگز نہ کرو جب ان سے پوچھو گے تو ضرور کوئی شکل نکلے گی۔ ان کے پاس پہونچو گے تو خدائے تعالیٰ کے پاس پہونچو گے۔

نظم

ہر کہ خواہد ہمنشینی باخدا

او نشیند در حضور اولیاء

اہل اللہ کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے مگر ناقص صحبت سے احتراز کرنا چاہئے خیر ضرورت کے واسطے مضائقہ نہیں اختلاط نہ چاہئے۔ اہل اللہ (۱) کی صحبت سے ضرور نفع ہوتا ہے خیال یوں ہوا کرتا ہے کہ صاحب ہم فلانے بزرگ کے پاس بیٹھے تو کیا کمال

(۱) اہل اللہ کی صحبت کا اثر۔

ہوا دل میں جوش تک بھی نہ ہوا۔ یہ غلطی ہے صحبت کا اصلی اثر یہ ہے کہ دنیا کی محبت گھٹ جائے اور حق سبحانہ تعالیٰ کی محبت بڑھ جائے بس پھر کبھی کیفیات نفسانی کا غلبہ بھی اس کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا حال سنا ہوگا کہ شیخ کا کلام سن کر پچھاڑ کھا کر گر پڑے۔ لوگوں کے نزدیک یہی بڑا اثر ہے جہاں یہ پایا جاوے وہی مجلس اچھی سمجھی جاتی ہے عوام کہا کرتے ہیں کہ میاں سماع (۱) تو وہ چیز ہے کہ سانپ کو مست کر دیتا ہے میں کہتا ہوں یہی دلیل ہے کہ یہ کیفیت خاص قابل اعتبار نہیں کیونکہ کیفیت معتبرہ وہ ہے کہ خواص انسانی سے ہو اور جب سانپ اس سے متاثر ہوا معلوم ہوا کہ اس سے ایسی کیفیت ہوتی ہے جو انسان اور دیگر حیوانات میں مشترک ہے۔ کمال خاص انسانی تو وہ ہے کہ تمام خلق پر فوق لے جائے بلکہ ملائکہ پر بھی وہ کمال یہی ہے کہ اتباع کامل وتہذیب نفس پیدا ہوں ہاں اگر کیفیت نفسانی بھی اتباع کے ساتھ پیدا ہو جائے تو اچھا ہے کیونکہ نفس میں اشتعال پیدا کرتی ہے تو اور معین ہو جاتی ہے اتباع پر جیسا کہ انجن میں آگ کہ گاڑیاں بلا ک آگ ٹھیلنے سے بھی تیز چلتی ہیں مگر آگ سے زیادہ تیز چلتی ہیں اسی معنیٰ کر کہا ہے۔ شعر

صنمارہ قلندر سزدار بمن نمائی
کہ در از دور دیدم رہ ورسم پارسائی

مقصود اصلی اتباع اور قرب باری تعالیٰ ہے اگر اشتعال نہیں ہے تو پڑا مت رہو۔ شعر

روزہا گر رفت گو روباک نیست
تو بماں اے آنکہ جز تو پاک نیست

اور جو دونوں ہوں تو یہ اولیٰ ہے۔ لوگ صحبت (۲) کا اثر چاہتے ہیں اور اکثر لوگ آداب صحبت سے واقف بھی نہیں صحبت کے جو طریق ہیں وہ اختیار کیجئے دیکھئے اثر ہوتا ہے یا نہیں۔ طرح طرح کے بکھیڑے لے کر مشائخ کی خدمت میں جاتے ہیں کوئی مقدمہ کے واسطے دعا کراتا ہے کوئی اولاد کا طالب ہے۔ اللہ میاں کا طالب بھی کوئی ہے۔ مشائخ کے پاس سوائے کلام ضروری کے کچھ بات نہ کی جائے اگر وہ خود بھی دنیا کی بات کریں تو سمجھو کہ منتہی کو اس سے ضرر نہیں ہوتا اور تم مبتدی ہو کوئی بات اگر پوچھنے کی ہو تو

---

(۱) سماع۔۱۲ (۲) صحبت برغایت آداب ضرور مؤثر ہے۔۱۲

یوں گمان کرر کھا ہے کہ ہم جا کر بیٹھتے ہیں اس کو پوچھنا نہ چاہئے وہ خود بیان کریں صاحبو اول تو یہ امر متعلق کشف کے ہے اور کشف دائمی اور اختیاری نہیں پھر اگر ان کو کشف بھی ہو گیا تو یہ کیا ضرور ہے کہ وہ اس کا جواب دیں جب تم اہل حاجت ہو کر مستغنی ہو تو اگر وہ مستغنی ہوں تو کیوں مجبور کئے جاویں پھر یہ کہ انکی شفقت اور زیادہ ہو جائے گی تمہارے سوال (۱) کرنے سے ضرور پوچھو جب وہ بلاتمہارے پوچھے چاہتے ہیں کہ تم کو معلوم ہو جائے اور سعادت حاصل کرلو تو تمہارے پوچھنے سے اور زیادہ شفقت نہ کریں گے۔

میں نے اس بیان کو طول اس واسطے دیا کہ علماء کے ساتھ مجالست کرو اور حالت کو درست کرو اور علماء سے بلاحیاء وشرم کے پوچھ لیا کرو اور حساب کا مراقبہ کیا کرو۔ اگر کوئی وقت مقرر کر کے یہ خیال کیا کرو کہ میں اللہ میاں کے سامنے کھڑا ہوں اور میزان بھی موجود ہے اور حساب ہو رہا ہے اور پلِ صراط کے سامنے کھڑا کر کے چلنے کا حکم دیا گیا ہے تو دیکھو تو پھر تم سے کیسے گناہ ہوتے ہیں اور خوف دل میں پیدا ہو جائے گا اور شریعت پر چلنا مشکل نہ رہے گا جب شریعت پر چلنے لگے پھر پل صراط پر چلنا کوئی بات نہیں۔ محققین کے نزدیک پل صراط صورت ہے شریعت کی تو سالک یعنی شریعت پر چلنے والا صراط پر اب چل رہا ہے اور اپنی حالت کو ہر وقت درست رکھو نہ معلوم کس وقت طلبی ہو جائے حالت کے درست ہو جانے کی علامت یہ ہے مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ جو شخص ایسا صاف ہو کہ اللہ میاں کے پاس جانے سے اس کو اندیشہ نہ ہوتا ہو تو اللہ میاں بھی اس سے خود ملنا چاہتے ہیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اعمال درست ہوں حدیث میں ہے اَحْسِنُوا الظَّنَّ بِرَبِّكُمْ اور تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ گمان اس کا درست ہوتا ہے جس کے اعمال درست ہوتے ہیں اس بناء پر حدیث کے معنیٰ یہ ہوئے کہ احسنو العمل عمل کو درست کرو کہ وہ موجب ہے حسن ظن باللہ کا یہ معنیٰ تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں کہ اعمال بد کئے جاؤ اور خیال اچھا جماتے رہو یہ تو دھوکہ ہے۔ مختصر یہ ہے کہ ایسی حالت بنالو کہ جب سوچو موت سے کراہت نہ ہو اور موت کا وقت معین نہیں تو ہر وقت ہی درستی حالت کی ضرورت ہوئی شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود۔ تو ہر قوت تیار رہنا چاہئے۔ اس کے بعد لوگوں نے دعا مانگی اور وعظ ختم ہوا۔ فقط

---

(۱) ضروری سوال سے رکنا نہ چاہئے۔۱۲

دوسرا[۱] وعظ

خطبہَ ماثورہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ الخ اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ میں اس وقت صرف ایک ضروت کو عرض کرتا ہوں۔ کیوں صاحبو دین کی ضرورت ہے یا نہیں۔ آپ حضرات کو معلوم ہے اور چند بار ثابت کیا گیا ہے کہ دین ضروری ہے کیونکہ ہر کام میں آخر ایک نہ ایک طریق آدمی کو اختیار کرنا پڑے گا اور یہ کوئی عقل مند نہ کرے گا کہ خراب طریق کو اختیار کرے بلکہ یہی چاہے گا کہ ٹھیک طریق اختیار کروں اور دین کا یہی حاصل ہے اور جب یہ ضروری ٹھہرا تو یہ ضرورت جس طریق سے رفع ہو اس کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کوئی عقل مند نہیں کہہ سکتا کہ ضرورت کے رفع کا طریق ضروری نہیں ہاں جو اصل ضروری ہی کو ضروری نہ سمجھے وہ اس طریق کو بھی ضروری نہ سمجھے گا۔ جو لوگ دین ہی کو ضروری نہیں سمجھتے ان سے تو اس وقت بحث نہیں لیکن وہ لوگ نہیں چھوڑے جاسکتے جو دین کو ضروری سمجھتے ہیں اور پھر رفع ضرورت کے طریق کو ضروری نہیں سمجھتے ان پر اس کا ضروری ہونا ثابت کیا جاوے گا دین جس کو کہتے ہیں وہ یہ ہے (۲) کہ خدائے تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور طریق فلاح بتایا اور اس سلسلہ کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا اور قرآن شریف آپ پر اتارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کو چھوڑا۔ اگر چہ لوگوں نے احادیث میں بڑی گڑ بڑ کردی ہے اور وہ کون ہیں فطرت پرست لوگ جو دعویٰ فطرت کرتے ہیں تو اریخ کو ترجیح دیتے ہیں حدیث شریف پر ان کا گمان ہے کہ تو اریخ میں جو کچھ ہے وہ سب صحیح ہے اور واقع ہوا ہے اور حدیث شریف اپنے مطلب کے لئے گڑھ لی۔ میں کہتا ہوں کہ کیا نسبت حدیث شریف کو اور تاریخ کو۔ اول تو تاریخ میں صاف صاف تعارض موجود ہیں اور حدیث میں کبھی ایسا تعارض نہیں جو جمع نہ ہو سکے یہ تو

(۱) اس وعظ کو حضرت مولانا نے بمقام مراد آباد مسجد شاہی میں بیان فرمایا۔۱۲
(۲) دین کی حقیقت اور ترجیح تو اریخ پر۔۱۲

ان واقعات میں ہے جو کئی کئی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض ایسے واقعات بھی ہیں کہ صرف ایک مؤرخ کے قول سے ثابت کئے جاتے ہیں حالانکہ کیا سند ہے اس کے سچ ہونے کی اور اسی کی کیا سند ہے کہ یہ اس مؤرخ کا قول ہے بیچ کے ناقل لوگوں کو کوئی جانتا ہے کہ سچے تھے یا جھوٹے اور بحمد اللہ آج اس وقت ایک ایک حدیث شریف کی سند راویوں کا نام ایک ایک کا لے کر کہ ہم کو ان سے پہونچی اور ان کو ان سے پہونچی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہم لوگ بتلا سکتے ہیں۔ ان صاحبوں نے جو احادیث کا انکار کیا ہے اس کی ایک وجہ ہے کہ یہ لوگ قرآن شریف میں تو کوئی تکذیب کا موقع نہ پاسکے کیونکہ متواتر ہے لفظ بلفظ محفوظ اس میں تو انھوں نے تاویل کرلی اور حدیث شریف میں گنجائش ملی نہیں دو وجہ سے ایک تو قرآن شریف کا نظم نہایت مختصر ہے اکثر الفاظ ذو معنیین ہوتے ہیں اور حدیث شریف میں الفاظ بہت واضح ہیں اور صاف صاف احکام اور واقعات بیان ہوتے ہیں احتمال ہی نہیں کہ دوسرے معنیٰ لے لئے جاویں اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج رہیں مستغنی نہ ہو جاویں اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ (الحدیث) یعنی میں کسی کو نہ دیکھوں کہ قرآن کے بھروسہ میری حدیث سے اعراض کرے خدائے تعالیٰ نے مجھ کو جیسے کہ کتاب دی ہے اسی کے مثل دوسری بھی ایک چیز دی گئی ہے اگر چہ سب کچھ ہے قرآن شریف ہی میں ہے لیکن اس کو سمجھتا کوئی نہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چنانچہ ارشاد ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْآنَهٗ فَاِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ. حاصل یہ ہے کہ جس وقت ہمارا رسول یعنی فرشتہ پڑھے تو آپ جلدی نہ کیجئے اور صرف سنتے رہیئے پھر بیان اس کا ہمارے ذمہ ہے۔ معلوم ہوا کہ اصل متلو کے سوا مزید برآں ہے بیان من جانب اللہ پس وہ احادیث کے سوا اور کیا ہے۔ ثابت ہوا کہ قرآن شریف ہی کی طرح سے حدیث شریف بھی من جانب اللہ ہے فرق اتنا ہے کہ وہ متلو ہے اور یہ غیر متلو بس اور دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن شریف تو ایک محدود مختصر مجموعہ ہے اس میں تاویل کرلی اور احادیث ہیں بہت کثرت سے۔ تو کہاں تک تاویل کریں انھوں نے کہالاؤ اس کا اصل ہی سے اڑادیں۔ اور اگر احتمال عقلی سے شبہ کیا جاوے تو

احتمال کی دو قسمیں ہیں احتمال ناشی عن دلیل اور احتمال غیر ناشی عن دلیل سو احادیث میں احتمال ناشی عن دلیل نہیں ہے قرائن تو یہی کہتے ہیں کہ غلط نہیں کیا تو اریخ سے بھی گئیں۔ خوب یاد رکھو کہ احتمال تا وقتیکہ ناشی عن دلیل نہ ہو معتبر نہیں ہوتا یوں تو اس وقت جانتے ہو کہ دن ہے مگر احتمال ہے کہ رات ہو اور ہمارا مشاہدہ غلط ہو۔ تو حدیث شریف کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور وہ اگر چہ ظاہراً غیر قرآن ہیں لیکن واقع میں اس کی شرح ہیں جس طرح فقہ ظاہراً غیر قرآن وحدیث ہے لیکن در حقیقت وہ قرآن وحدیث ہی ہے دوسری صورت میں مثال اسی کی یہ ہے کہ کسی طبیب کے یہاں مختلف نسخوں سے متفرق علاج ہوتے ہیں ان کو کسی نے ترتیب دے کر کتاب الطب کی صورت میں کر دیا تو اس شخص نے اس میں دو تصرف کئے ایک تو یہ کہ ان معالجات کو بترتیب امراض کر دیا پہلے سر کے امراض کے نسخے لکھے اور پھر حلق کے اور پھر ریہ کے اور معدہ اور جگر وغیرہ وغیرہ کے دوسرے یہ کہ ان امراض کے متعلق قواعد کلیہ بھی بیان کر دیئے تو اس شخص نے کچھ اپنی طرف سے نہیں اختراع کیا بلکہ یہ کلیات بھی وہ ہیں کہ طبیب کے علاجوں سے مستنبط ہوتے ہیں ان کو اس نے بیان کر دیا اسی طرح فقہ حقیقت شناس لوگ اس کی وہی تعظیم کرتے ہیں جو قرآن مجید کی کرتے ہیں جیسے کہ کوئی اپنے معشوق کو دیکھے گرمی کے کپڑے اتار کر رکھ دیئے ہیں اور جاڑوں کے پہنے ہوئے ہے وہ تو یہی کہے گا۔

شعر

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش

من از انداز پایت مے شناسم

عباراتنا شتیٰ و حسنک واحدٌ

وکل الیٰ ذالک الجمال یشیرٗ

قرآن شریف علم دین ہے ایک صورت میں اور حدیث شریف وہی علم دین ہے دوسری صورت میں اور ایسے ہی فقہ وہی علم دین ہے تیسری صورت میں۔ بہر حال علم دین معہ اپنی تفاصیل کے ضروری ٹھہرا۔ اسی مطلب کو دوسری طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اس کا کون منکر ہو سکتا ہے کہ اللہ میاں احکم الحاکمین ہیں اور یہ امر فطری ہے کہ حکام کے کچھ احکام ہوا کرتے ہیں اور مقتضائے فطری احکام کا یہ ہے کہ ان کے بجالانے والے

پر رحم کیا جائے اور سرکشوں پر عتاب کیا جائے تو ہر عقل مند کے ذمہ ضرور (۱) ہوا کہ سوچے کہ اللہ میاں کے کیا احکام ہیں جس پر اثر مذکور مترتب ہوا اچھا علم دین کو نہ مانو پھر تم اور کوئی طریق ان احکام کے پہنچاننے کا بتادو۔ واللہ ثم واللہ سوچتے سوچتے قیامت آجائے اور پھر اور قیامت آجائے تب تک بھی تو تمام جہان کے عقلاء اس کام کو انجام نہ پہونچا سکیں گے۔ اتنا زمانہ گزر گیا ایک بات بھی متفق علیہ ثابت ہوئی افلاطون کے نزدیک کچھ ہے اور ارسطو کے نزدیک کچھ غرض کہ عقلیں آپس میں متبائن ہیں ایک عقل پر اعتماد کیا جاوے تو ترجیح بلا مرجح ہے اور سب کو مان لیا جائے تو اجتماع ضدین ہے۔ دونوں شقیں نہیں لی جا سکتی معلوم ہوا کہ ایک ثالث شق اور ہے کہ وہ حق ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی پر اعتماد نہ کیا جاوے اور صرف عقل کو اس کام کے لئے کافی نہ سمجھا جاوے اور یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ احکام فی نفس الامر ہیں ضرور اور ان پر وہ اثر مترتب ہونے والا ہے اور عقل ان کے ادراک کے لئے کافی نہیں تو عقل کے سوا اور شے کی ضرورت پڑی اور وہ وحی ہے۔ واللہ اگر حق سبحانہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نہ بھیجتے اور حکم یہ کر دیتے کہ دیکھ دنیا میں عقائد صحیح رکھنا اور ہمارے پاس سرخرو ہو کر آنا تو معلوم ہوتا کہ کسی مشکل میں پڑتے جو آلہ اس کے ادراک کا تھا وہ ایسا مختلط ہے کہ کبھی کچھ بتلاتا ہے اور کبھی کچھ اس صورت میں کوئی سرخروی کی امید کر سکتا تھا مگر نہیں ایسا نہیں کیا ان احکام کو یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ ایک متفق علیہ طریق یعنی وحی سے مفصل بیان کر دیا محض اس نظر سے کہ ان کمزور بندوں کو تکلیف نہ ہو۔ ورنہ کیا غرض تھی اللہ میاں کو کہ انبیاء علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجیں۔ اس تقریر کا مطلب یہ نہیں کہ دین عقل کے مناقض ہے بلکہ عقل وہاں تک پہونچتی نہیں۔ ادراک حقائق کے دو راستہ ہیں کامل دین اور ناقص عقل۔ بڑے تعجب کی بات ہے کہ ناقص کو اصل ٹھہرا کر کامل کو اس کا تابع کرتے ہیں ان بھلے آدمیوں نے اس کا عکس کیوں نہ کیا اس کی مثال ایسی ہوئی کہ مادر زاد اندھے کے سامنے کہا جائے کہ سپید اور سیاہ دو رنگ ہوتے ہیں اس نے چونکہ دیکھے نہیں ہیں سمجھ میں نہیں آتا اور کہتا ہے کہ سب یوں ہی کہو کہ رنگ کوئی چیز نہیں اس خبر کو اگر صحیح اور اپنے ادراک کو ضعیف سمجھ کر آنکھوں کی اصلاح کرتا تو بہتر تھا نہ کہ اس خبر میں انکار یا تاویل شروع

---

(۱) دین کی ضرورت بدلیل عقلی ۱۲۔

کر دے اسی طرح مدعیان عقل نے قرآن شریف کے معنیٰ جب اپنی عقل کے خلاف دیکھے اس میں تاویل وتحریف کرنے لگے یہ نہیں کہ اپنی فہم کو درست کرتے۔ نظم

بر ہوا تاویل قرآن می کنی
پست وکج شد از تو معنیٰ سنی
چوں ندارد جان تو قندیلہا
بہر بینش مے کنی تاویلہا
کردۂ تاویل لفظ بکررا
خویش را تاویل کن نے ذکر را

خوب سمجھ لو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ راستہ کو صاف کر دیا ہم کو بے چوں وچرا آپ کا اتباع ضرور ہے ورنہ ہماری مثل ایسی ہوگی کہ جیسے اندھا اپنے لے چلنے والے سے کہے کہ کیا دلیل ہے کہ آگے میرے خندق ہے دلیل یہ ہے کہ چھوڑ دیں کہ بھئی جا۔ جب خندق میں گرے گا تب آپ فساد طریق معلوم ہو جائے گا راستہ بتانے والے کی بلا سے۔ مگر یہاں ایسا نہیں ہدایت کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بندوں کو نہیں چھوڑتے چاہے وہ چھوڑتے جائیں ایسی حالت میں آپ کو کیسی کلفت ہوتی ہوگی آپ کی خدمت میں اعمال بھی پیش ہوتے ہیں آپ دیکھتے ہوں گے کہ میرا قول یوں بدلا جاتا ہے۔ کیا کچھ صدمہ آپ کے قلب پر ہوتا ہوگا فرماتے ہیں لعلّك باخعٌ نفسك آپ اپنی جان کو ہلاک کر ڈالیں گے ان کے پیچھے کیا رحمت ہے بندے گناہ کرتے ہیں اور آپ گھلے جاتے ہیں آپ کا کیا حرج تھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں صاحبو آپ نے کہیں دیکھا ہے کہ طبیب نے کسی مریض کے لئے نسخہ لکھا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اگر اس نسخہ کو نہ پئے گا تو مر جائے گا اور اس مریض نے نسخہ چاک کر کے پھینک دیا اب وہ طبیب اس سے پھر کہے گا اور زبردستی کرے گا کہ میری خاطر سے پی لو۔ اس کا کیا حرج ہے مر جاؤ مگر حق سبحانہ تعالیٰ کی کیا شفقت ہے کہ فرماتے ہیں اَفَنَضۡرِبُ عَنۡکُمُ الذِّکۡرَ صَفۡحًا اِنۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِیۡنَ. کیا ہم قرآن شریف اتارنا چھوڑ دیں اس وجہ سے کہ تم اس کو مانتے نہیں ہو۔ تم نسخہ کو چاک

کرتے جاؤ ہم لکھ لکھ کر اور دیتے جائیں گے ذرا اس کی قدر کرو۔ اس شفقت و رحمت پر بھی احکام الٰہی کی قدر نہ کرو گے تو کچھ تعجب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز فرمائیں یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا چاہئے تو یہ کہ جو کچھ حکم سنیں پوچھیں بھی نہیں کہ اس میں کیا مصلحت ہے مگر پوچھنا کیسا اس میں ترمیم کی جاتی ہے طبیب سے کوئی نہیں پوچھتا کہ یہ دوا کیوں لکھی۔ تو وجہ یہ ہے کہ طبیب اگر ناراض ہو جائے گا تو جان جاتی رہے گی اور عالم اگر خفا ہو جائے گا تو ایمان جاتا رہے گا اور اس کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔ سمجھ لیا آپ نے کہ تاویل کو کیا علاقہ ہے دین کے ساتھ اور دین کے اصلیت کیا ہے اور اسی سے ثابت ہو گیا کہ دین ضروری ہے اور یہ بات بدیہی ہے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ ضروری کا ذریعہ بھی ضروری ہوتا ہے اور وہ ذریعہ کوئی بتا دے کہ ان مدرسوں کے سوا کیا ہے تو مدرسے بھی ضروری ہوئے۔ میں نے کلام کو طویل اس واسطے دیا کہ بعض لوگ سمجھتے تو ہیں کہ دین ضروری ہے مگر ان کے معاملہ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اپنے لڑکوں کو انگریزی مدرسوں میں بھیجتے ہیں اور جب کوئی کہتا ہے کہ عربی پڑھو تو یہ کہتے ہیں یہ تو یہ چاہتے ہیں کہ بھوکے مر جائیں۔ صاحبو اگر یہ بات صحیح بھی ہو تو وہ بھوک کہ جس کے بعد ہمیشہ کی غذائیں ہوں اس غذا سے اچھی ہے جس کے بعد ہمیشہ کی بھوکیں ہوں حالانکہ ہم علم معاش سے منع نہیں کرتے مگر جب کہ وہ مخل ہو علم دین میں۔ بعضے یوں کہہ دیتے ہیں کہ علماء تو بہترے موجود ہیں بس کافی میں میں کہتا ہوں جب یہ ختم ہو جائیں گے تو کون باقی رہے گا اسی طرح ہم بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کے طالب بھی تو بہترے موجود ہیں کون ضرورت ہے کہ ہم بھی ایک اور ان کے افراد میں بڑھیں اس کا جواب یہ دیا جاوے گا کہ دوسرے کے ہونے سے ہم کو تو روزی نہیں ملے گی پیٹ تو ہمارے بھی ہے کیوں صاحبو حقوق اللہ علماء کے ادا کرنے سے کیا تم پر سے بھی ادا ہو جائیں گے کیا ہر ہر شخص کو جدا جدا ضرورت نہیں بات یہ ہے کہ اس کا نتیجہ تو ابھی معلوم ہو جاتا ہے اور ان کا نتیجہ ابھی چھپا دیا گیا ہے مگر یاد رہے کہ ایک دن واقع ہو گا ضرور میں کہتا ہوں کہ اگر دین کے قائم رکھنے کی ضرورت نہیں ہے تو آپ لوگ دنیا کے قائم رہنے کو تو محتاج ہیں تو یاد رہے کہ دنیا

کی بقا بھی جب ہی تک ہے کہ جب تک اللہ اللہ کہا جاتا ہے اور یہ جب ہی تک ہے کہ جب تک علماء موجود ہیں قیامت ہو جائیگی جس وقت علماء نہ رہیں گے حدیث صحیح میں آچکا ہے۔ غرض کہ دنیا کے قائم رکھنے میں بھی آپ ان کے محتاج ہیں جب آپ علم و علماء کے محتاج ٹھہرے تو احسان نہ جتایئے کہ آپ علماء کی خدمت کرتے ہیں دین کی بقا تو ان سے ہی دنیا کی بھی بقا منظور ہو تو ان ہی کے دم سے ہو سکتی ہے آپ کو دنیا میں رہنا ہو تو ان کو باقی رکھئے اپنی غرض کے واسطے بقاء علم دین میں ان کی اعانت کرو اور یہ اور بات ہے کہ اپنی غرض بھی آپ کو محسوس نہ ہو۔ اور سچ جانئے کہ علماء دنیا میں بھی تمہارے محتاج نہیں کیونکہ کوئی صاحب جائداد ہیں کوئی تاجر ہیں اور نہیں تو یہ کام سب سے اچھا کر سکتے ہیں اور ہمارا تو اعتقاد ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا آپ کے سامنے ہم کو ہاتھ پھیلانے کی کون ضرورت ہے اور تم محتاج ہو ان لوگوں کے دین میں بھی اور دنیا میں بھی تم جو کچھ ان کو دیتے ہو اپنی غرض کو شعر

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

یہ لوگ باوجود اپنی اس استغنا کے آپ کی خدمت قبول کر لیتے ہیں اس کا احسان آپ پر باقی ہے اور اگر ان کا ہونا تمہارے نزدیک بے کار ہے تو ذرا اس وقت کو خیال کرو کہ جب علماء فنا ہو جائیں تو تمہاری اولاد کا کیا حال ہوگا۔ بعض بعض دیہات میں اب دیکھ لیجئے کہ جنازہ کی نماز کا کوئی پڑھانے والا نہیں ملتا استغفر اللہ جب علم دین اس درجہ ضروری ہے اس کی تحصیل وحفاظت واجب ہوئی پھر جامعیت ہوئی تو سبحان اللہ اور وہ فرض کفایہ ہے اور اگر اس قدر مہلت نہیں تو اچھا فرض عین ہی ادا کر لو اور ہندی یا عربی یا فارسی جس میں ہو سکے حاصل کرو۔ لوگوں کا گمان ہے کہ راہ نجات کافی ہے میں کہتا ہوں کیا اس میں سارے اخلاق اور عقائد آگئے ہیں بفضلہ تعالیٰ علم دین کی ضرورت ثابت ہو چکی اس سے تو کسی کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ مگر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اس ہیئات مروجہ کی ضرورت نہیں تو بہتر مجھے کوئی اور ہیئات بتا دیجئے اور دکھا دیجئے کہ وہ مفید ہے میں کچھ مانگتا نہیں ہوں ہاں ضرور ثابت کئے دیتا ہوں اگر ثابت نہ ہوئی آپ

کے نزدیک تو میں آپ کے سامنے حاضر ہوں آپ میرے مقدمات دلیل کی غلطی ظاہر کر دیجئے میں اپنے حجرے میں بیٹھ کر نہیں کہتا ہوں۔ غرض ضرورت (١) ہے دین کی اور مدرسوں کی اسی بہات پر باقی رکھنے کی آپ جو کچھ دین اپنی ضرورت اور منفعت کی تحصیل کے واسطے دیں گے ہم پر کچھ احسان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فَيَأْخُذُهُ بِيَمِيْنِهٖ فَيُرَبِّيْهٖ كَمَا يُرَبِّىْ اَحَدُكُمْ فَلُوَّهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ اَعْظَمَ مِنَ الْجَبَلِ باری تعالیٰ اپنے یمین میں لیتے ہیں جو کچھ دیا جاتا ہے یمین کا لفظ متشابہات میں سے ہے اس کے معنیٰ اور تاویل سے تو اس وقت بحث نہیں۔ مراد قبول ہے اور باری تعالیٰ کے ہاتھ میں کیسے نمونہ ہوگا جب زمین میں ڈالنے سے دانہ پہاڑ سے بڑا ہو جاتا ہے اگر ایک کھجور کو بویا جائے اور پھر اس سے جتنے پھل پیدا ہوں ان کو بویا جائے اور ایسے ہی حساب لگایا جائے تو یہ بات معلوم ہو سکتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ احد اعظم الجبال تھا مدینہ میں اس واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دی ورنہ پہاڑ سے اور اس سے کیا نسبت یہی معنیٰ ہیں اس کے جو شب قدر میں ہے کہ خیر من الف شهر کلام عرب میں مفرد لفظ اعداد کے اندر الف سے زیادہ کے واسطے موضوع نہ تھا اس واسطے لایا گیا۔ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دینے والا اگر ثواب کو دیکھ لے تو یہی کہے۔

جمادے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

---

(١) چندہ کی فضیلت ۔١٢

تیسرا وعظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

چونکہ موت کے متعلق مسائل کے معلوم ہونے کی زیادہ ضرورت ہے لہذا اس وقت بیان کئے جاتے ہیں افسوس ایسی یقینی چیز جس کے آنے میں کسی کو کلام نہیں اس کو ایسا دل سے بھلا رکھا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے وجود میں ملحدین کو شبہ ہوا ہے لیکن موت کے آنے میں کسی کو شک نہیں۔ موت وہ چیز ہے کہ عیش و آرام کو مکدر راحت و چین کو منغض کر دیتی ہے بلکہ منکرین حساب کو بہ نسبت معتقدین کے زیادہ خوف ہونا چاہئے تھا کیونکہ ان کے عقیدے کے بموجب ان کے تمام آرام چین موت کے ساتھ منقطع ہوتے ہیں لیکن اس کی نسبت ایسی غفلت ہوئی کہ مؤمنین و منکرین سے سب نے ملکر بھلا دیا ہے۔ موت کے یاد دلانے کے واسطے سب سے بڑا محرک مردہ کو دیکھنا اور تجہیز و تکفین میں حاضر ہونا ہے لیکن افسوس آج کل مردہ کو دیکھ کر ہر شخص یہی خیال کرتا ہے کہ یہ دن اسی کے واسطے تھا نہ کہ میرے لئے اگر یہ سمجھا جاتا کہ یہ حال ہمارا ابھی ہونے والا ہے اور ہمارے واسطے بھی یہ دن آنے والا ہے تو واللہ ہرگز ایسی بے فکری کی باتیں ظہور میں نہ آتیں۔ میت کی تجہیز و تکفین کے واسطے آتے ہیں اور طرح طرح کی گفتگو ہوتی ہے کبھی ترکہ کا ذکر ہے کہ منقولہ میں کیا چھوڑا اور جائداد کیا ہے خیر یہاں تک بھی غنیمت ہے ذکر تو مردہ ہی کا ہے لیکن بعض تو اپنے مقدمہ معاملہ کا ذکر شروع کرتے ہیں کل ہمارے فلاں مقدمہ کی تاریخ ہے فلاں وکیل کے پاس جانے کی ضرورت ہے کبھی مدت کے ملے ہوئے دوستوں سے مل کر اظہارِ خوشی ہو رہا ہے آپ سے تو عرصہ میں ملاقات ہوئی کیا کہوں فرصت نہیں ہوئی۔ گویا یہ بھی دوستوں کی ملاقات کا ایک ذریعہ ہے۔ عورتوں کی حالت (۲) کیا بیان کی جائے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ ایسے مجمعوں میں

---

(۱) بمقام چرتھاول ضلع مظفر نگر احکام اور مسائل متعلق موت ۱۲

(۲) جلسہ تعزیت میں مستورات کی بیہودگیاں ۱۲۔

بھی کیسی بیہودگی اور بے تمیزی سے کام لیتی ہیں تعزیت کے لئے جاتی ہیں اور وہاں اپنے مردہ رشتہ داروں کا ذکر کر کے روتی ہیں لیکن یہ مصنوعی رونا بھی تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور پھر ادھر ادھر کی فضول باتیں شروع ہو جاتی ہیں کسی کی غیبت ہو رہی ہے کس کے افعال پر اعتراض ہو رہا ہے کسی کے نسب پر حرف گیری ہو رہی ہے اور پھر بڑا غضب یہ کہ ایک بیوہ کو سب کے ساتھ علیحدہ علیحدہ منہ ڈھکنا پڑتا ہے بھلا کہاں تک خون کا پانی کرے کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ ایک تو یہ بے چاری خود ہی زندہ در گور ہو گئی ہے اس کی ذرا تو دلداری کرتے نہیں بلکہ ہر آنے والی بی بی کو اس امر میں کوشش ہوتی ہے کہ میرے ساتھ نالہ و بکا زیادہ جوش کے ساتھ ہوتا کہ اظہار ہمدردی ہو ایک بیوہ کو دیکھو۔ اور اس کا دن میں صبح سے شام تک چالیس پچاس کے ساتھ رونا اور بیان کرنا۔ ظاہراً کوئی وجہ نہیں۔ معلوم ہوتی کہ بندی خدا کی کس طرح زندہ رہ جاتی ہے بجز اس کے کہ اپنی زندگی کی وجہ سے بچ جاتی ہے اور پھر یہ زور و شور تین روز اس درجہ کا رہتا ہے کہ العظمۃ للہ اور بعد تیجے کے بھی چالیسویں تک اگر چالیس پچاس کا نمبر روزانہ نہیں ہوتا تو دس پندرہ سے کم بھی نہیں کیسی تندرست عورت ہو لیکن بعد چالیسویں کے اگر کوئی دیکھے تو معلوم ہو کہ ناک پکڑے سے دم نکلتا ہے علاوہ حرمت شرعی کے کیا یہ امور اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی اصلاح کے واسطے تمام ادنیٰ و اعلیٰ پوری کوشش کریں۔ بھائیو اگر ایمان کی پرواہ نہیں ہے تو ذرا جان ہی کا خیال کر لو مرنے والا مر گیا ان زندوں کے حال پر رحم کرو میرے ایک دوست بیان کرتے تھے کہ میرے بھائی صاحب کے انتقال کے بعد چالیس روز میں والدہ کی ایسی کیفیت ہوئی تھی جیسے کوئی پرانا نادق کا مریض ہو اور یہ صرف اسی کا نتیجہ تھا کہ برادری کی عورتوں کے ساتھ ہر روز بیس بیس مرتبہ طوعاً و کرہاً رونا پڑتا تھا۔ کھانا۔ کھانے بیٹھی ہیں اور کوئی ڈولی آ گئی بس کہاں کھانا فوراً چٹائی بچھا منہ ڈھک لیا دوپہر کو مر کھپ کر ذرا کمر ٹیکی ہے اور کوئی دوسری مہربان آ پہونچیں بس فوراً گریہ شروع ہو گیا یہاں تک کہ رات میں ایک دو بجے اگر کوئی مہمان آتا ہے تو بجائے اس کے کہ سلام دعا بس دروازہ ہی سے رونے کی آواز سے اپنی آمد کی خبر دی جاتی ہے۔ غرض چالیس روز تک اس کے مقابلہ میں فرض و واجب کی بھی کیا حقیقت ہے۔ بعض عورتیں تو فی الحقیقت ایسی بدحواس ہو جاتی ہیں کہ نماز وغیرہ ان سے چھوٹ جاتی ہے۔

سرعت سے وار کرتی ہیں کہ قاری ایک نامعلوم خوف محسوس کرتا ہے۔ان کی رمزیت اپنے عہد کی زندگی کو گرفت میں لانے کے اضطراب کو پیش کرتی ہے۔ وہ اپنی علامتوں کو سریندر پرکاش کی طرح دیومالائی عناصر سے نہ جوڑ کر موجودہ دور کی بے رحم حقیقتوں سے جوڑتے ہیں۔ جیسا کہ ان کے افسانے "دیپ" یا "پورٹریٹ ان بلیک اینڈ بلو" سے ظاہر ہے۔ مین را کا موضوع جنس نہیں بلکہ ان کے لیے جنس ایک علامت ہے اور اس علامت کا انہوں نے بھرپور معنویت سے استعمال کیا ہے۔ افسانہ "پورٹریٹ ان بلیک اینڈ بلو" میں افسانہ نگار نے اپنے مخصوص اسلوب اور لسانی پیکروں سے ایک ایسی علامتی کیفیت کو تخلیق کیا ہے جس میں ایک نام اور خون آشام شخصیت کے اذیت انگیز خدوخال علامتی پیکر میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ سریندر پرکاش قدیم تہذیب کی بازیافت کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانے

[illegible]

لوگ موت سے بے خبر ہیں۔ اگر یاد رہے تو سارے حوصلے بجھ جائیں۔ شہوت وغضب کا غلبہ نہ رہے جب دینوی تکلیف کے اندیشہ سے کسی مقدمہ وغیرہ میں ہمارا اضطراب ایسا ہوتا ہے افسوس خیال موت نے کیوں ہمارا عیش وآرام تلخ نہ کردیا بالخصوص بوڑھوں کے لئے بچوں کو توقع ہے کہ ہم جوان ہوں گے جوانوں کو یہ کہ ہم بوڑھے ہوں گے لیکن افسوس یہ بوڑھے کس خیال میں ہیں کیا ان کو پھر بچپن وجوانی کی امید ہے دینوی امور میں سب سے زیادہ چاق وچوبند یہ بوڑھے ہی ہوتے ہیں۔ انسان کی عمر بڑھتی جاتی ہے اس کے ساتھ حرص مال بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں اولاد کی بہبودی کی بڑی فکر ہوتی ہے یہ خواہش ہوتی ہے کہ جہاں سے ہو سمیٹ کر ان کے واسطے چھوڑ جائے۔ اولاد کی فکر میں اپنی اوقات ضائع کرنا اور زندگی تلخ کرنا بڑی نادانی کی بات ہے۔ تمہارا آرام وتکلیف تو تمہارے اعمال پر موقوف ہے اگر اولاد کے واسطے دین برباد کیا اور ان کے عیش کا سامان مہیا کیا تو ان کا عیش تمہارے کس کام آئے گا۔ یہ توقع بھی نہیں کی جاسکتی کہ ایک پیسہ بھی تمہارے واسطے خرچ کریں اگر یہ خیال ہو کہ ہمارے واسطے تیجہ اور دسواں کیا جائے گا تو یاد رکھو کہ اس سے تم کو کچھ بھی نفع نہ ہوگا کیونکہ یہ امور برادری کے خوف سے کئے جاتے ہیں اور جب خرابی نیت سے خود کوئی ثواب نہیں پاتے تو تم کو کیا بخشیں گے۔ اس پر تعجب نہیں ہوسکتا کہ کلمہ اور قرآن پڑھا جائے اور ثواب کچھ نہ ہو دیکھو خود نماز جو لوگوں کے دکھلانے کو پڑھی جائے مقبول نہیں ہوتی بلکہ دوزخ میں لے جانے والی ہے جیسا کہ فرمایا شیخ شیرازیؒ نے۔ شعر

کلید در دوزخ است آن نماز
کہ درچشم مردم گزاری دراز

تیجے میں جو (۱) لوگ ہوتے ہیں وہ دو قسم سے خالی نہیں یا تو برادری کے خوف سے حاضر ہوتے ہیں کہ اگر ہم نہ جائیں گے تو ہمارے یہاں کون آئے گا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کچھ بھی نہ پڑھے اور عذر بیان کرکر چلا جائے تو کچھ شکایت نہیں ہوتی اور اگر گھر بیٹھے سارا قرآن ختم کرکر مردہ کو بخش دے ہرگز شکایت رفع نہیں ہوتی پھر ظاہر ہے جو لوگ اس برادری کی شکایت رفع کرنے کی نیت سے آئے ہیں ان کے

(۱) تیجے کے بعض منکرات۔ ۱۲

پڑھنے پڑھانے کا کیا ثواب ہوسکتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو پیسوں اورچنوں کے واسطے آئے ہیں۔ ان کی برائی یہی کافی ہے کہ ہمیشہ تمہارا مرنا مناتے ہیں جب کوئی کھاتا پیتا بیمار ہوتا ہے یہ لوگ اس کی موت کا انتظار کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں جب ان کی وسعت اور فراغت اسی پر منحصر ہے یہ بھی صاف ظاہر ہے جو پیسوں اور چنوں کے واسطے آئے ہیں ان کے کلمہ کلام کا کیا ثواب ہوگا نہ دینے والے کو نفع نہ لینے والے کو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے کلمہ سے کیا خوش ہوں گے جو کہ اس کے اسم مقدس کو ایک ایک چنے کے عوض میں بیچتے ہیں اللہ تعالیٰ کا نام دونوں عالم کی قیمت میں بھی ارزاں ہے۔ شعر

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ
نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

حدیث شریف میں مذکور ہے کہ قیامت میں ایک گنہگار کے ۹۹ر دفتر اعمال بد کے کھولے جائیں گے اور ہر دفتر اتنا بڑا ہوگا جہاں تک نظر پہونچے۔ میزان رکھی ہوگی اور پلہ برائیوں کا جھک جائے گا وہ شخص نہایت مایوس ہوگا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے شخص ہم تجھ پر ظلم نہیں کریں گے تیری ایک نیکی ہمارے پاس باقی ہے وہ عرض کرے گا اے باری تعالیٰ ان نناوے دفتروں کے سامنے ایک نیکی کیا کام دے گی حکم ہوگا تو اس کو لے تو جا اور وزن کرا۔ وہ پرچہ لے کر میزان پر جائے گا اور وزن کرائے گا فوراً پلہ نیکیوں کا وزنی ہو کر جھک جائے گا اس پرچہ میں یہ کلمہ شہادت ہی لکھا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے کہ قیامت رکی ہوئی ہے۔ لا تقوم القیامة حتی یقال اللہ اللہ اور دنیا میں بھی اس قاعدے کے پابندی ہے جب رعایا باغی ہو جاتی ہے ان کے گھروں کو آگ لگادی جاتی ہے اور عام سزا کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح سے صور پھونکا جائے گا۔ گویا اللہ نام تمام آسمان وزمین کی جان ہے ایسے عزیز نام کو ایک ایک چنے کے عوض میں بیچنا کیسی حماقت اور گستاخی ہے۔ اگر کوئی قرآن مجید کو اوپلے کے عوض میں بیچنے لگے تو کیا یہ کسی مسلمان کو ناگوار نہ ہوگا۔ لیکن حقیقت میں یہ دونوں کام یکساں ہیں کیونکہ روپیہ پیسہ اللہ تعالیٰ کے نام مبارک کے مقابلہ میں اوپلے سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ اشعار

اللہ اللہ می کنی از بہر نان
بے طمع پیش او اللہ را بخوان

کہ گھے اللہ دروغے میزنی
از برائے مسکہ دوغے میزنی

خلق را گیرم کہ بفریبے تمام
در غلط اندازی تاہر خاص وعام

کارہا باخلق آری جملہ راست
باخدا تزو یرد حیلہ کے رواست

کار بار در است باید داشتن
رایت اخلاص وصدق افراشتن

اگر کوئی تمہارے سامنے پاخانہ پھرے اور پھر بغیر وضو کئے ہوئے نماز شروع کردے تو جیسے تم کو اس پر غصہ آئے گا اور منع کرو گے ایسے ہی علماء جب بے قاعدہ قرآن پڑھتے دیکھتے ہیں تو منع کرتے ہیں اس پر قرآن شریف کی تعلیم کی اجرت کو قیاس نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو ضرورۃ اشاعت (۱) قرآن کے لئے جائز ہے اور یہاں ثواب مقصود ہے اور ثواب کی قیمت دنوں عالم بھی نہیں ہو سکتی لہٰذا تعلیم پر حق المحنت کو تیجے کی قرآن خوانی پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اسی طرح ختم تراویح کے دن جو حافظ کو چندہ اکٹھا کر دیا جاتا ہے وہ بھی ناجائز ہے جہاں مشروط یا معروف ہو کیونکہ روپیہ کی طمع سے قرآن پڑھتا ہے ایسے پڑھنے کا ثواب کیا ہو سکتا ہے یہ غنیمت ہو اگر اس پر مواخذہ نہ ہو۔ اور حافظ کا محض روپیہ کے واسطے پڑھنا ظاہر ہے کیونکہ ۱۵ ر رمضان کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ نہ ملے گا تو حافظ صاحب ہرگز نہ پڑھیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو بھی محنت کے عوض میں دیا جاتا ہے تو کسی چکی پینے والی کو بلا لیا ہوتا اس سے نصف بلکہ چوتھائی پر راضی ہو جاتی اگر کوئی یہ کہے کہ صاحب بغیر اس کے کوئی حافظ نہیں ملتا تو میں یہ کہوں گا کہ ایسے حافظوں سے قرآن مجید سننے سے یہ بہتر ہے کہ کوئی الم ترکیف سے تراویح پڑھا دیا کرے یہ اول تو دین فروشی ہے اور دوسرے لوگوں پر دباؤ ڈال کر

(۱) اجرت ختم قرآن شریف ۱۲

چندہ لیا جاتا ہے چندہ کی فہرست مجمع میں پیش کی جاتی ہے دوسروں کو دیکھا دیکھی کچھ لکھنا ہی پڑتا ہے بعد کو غیرت دلائی جاتی ہے میاں یہ تو تمہاری حیثیت کے خلاف ہے کم سے کم دو چند تو کر دیجئے طوعاً کرہاً جب چاروں طرف سے زور ڈالا جاتا ہے بیچارہ کو بڑھانا پڑتا ہے یہ رقم قطعاً حرام ہوتی ہے کیونکہ حلت عطایا میں طیب خاطر شرط ہے اول تو یہ وہ موقع تھا کہ خوشی سے دیا جاتا تب بھی لینا جائز نہ ہوتا اور اس پر اور ایک امر موجب حرمت مزید ہوگیا۔ جب معلوم ہوا کہ ایسے کاموں سے میت کو ثواب نہیں ہوتا تو کسی امید پر انسان اولاد کے واسطے اپنا ایمان خراب کرے جب کہ مرنے کے ان سے کچھ بھی نفع نہ پہونچے اور اس کے اعمال اس پر سوار ہو جاویں ان کی قسمت میں اگر عیش ہے تو عیش ملے گا اگر مصیبت ہے مصیبت پہونچے گی غرض ان کی کیفیت کی بعد مرنے کے تم کو کچھ خبر نہ ہوگی بعض بڈھوں کا مسئلہ ہے کہ اولاد اگر آرام سے ہوگی تو میری گور ٹھنڈی رہے گی یہ خبر نہیں کہ ٹھنڈک نہیں پہونچا سکتا۔ اگر مفید ہے تو اپنا عمل ہے اور موت کا یاد رکھنا جیسا کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثروا ذکر ھاذم اللذات۔ کیا اس سے یہ مراد ہے کہ صرف موت کا نام لے لیا کرے بلکہ اگر اول سے آخر تک ساری حالت پیش آمدنی میں بیس مرتبہ غور کر لیا کرے تو شہید کا ثواب پائے بعض علماء نے لکھا ہے کہ موت کی تکلیف اس سے زیادہ ہے کہ چھ سو تلواریں ایک دم سے لگائی جائیں ایک بال پکڑ کر دیکھو سارے جسم کو اس سے کیا نسبت ہے جب بال کے اکھڑنے سے ایسی تکلیف ہوتی ہے تو خیال میں آسکتا ہے کہ تمام جسم سے روح نکلنے میں کیسی تکلیف ہوتی ہوگی اور کوئی عذاب بھی نہ ہو تو صرف یہی تکلیف دنیا کے عیش تلخ کرنے کو کافی ہے۔ حضرت ابراہیم ادہمؒ کے ترک سلطنت کے بعد ایک وزیر آپ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ نے ہم لوگوں کا دل توڑ دیا۔ اگر سلطنت کے ساتھ درویشی کو جمع کیا جاتا تو کیا مضائقہ تھا آپ نے فرمایا بھائی فکر کے ساتھ کوئی کام نہیں ہو سکتا اگر تم مجھ کو ایک فکر سے چھڑا سکو تو میں سلطنت کرنے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر نے خیال کیا کوئی دنیوی فکر ہوگی جس میں ہم لوگوں کی کوشش کارآمد ہوگی بہت خوشی سے کہا حضرت فرمائیے کیا فکر ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ مجھے اس امر کی فکر ہے کہ میں کس فریق میں ہوں گا۔

وزیر سن کر متحیر ہو گیا اور کچھ جواب نہ دے سکا۔ منجملہ معتقدات (۱) کے منکر نکیر کا قبر میں آنا اور مردہ سے سوال کرنا ہے۔ اگر جواب معقول نہیں ملتا تو نہایت سختی کرتے ہیں سر کو مونگری سے کوٹتے ہیں وہ ایسی مونگری ہے اگر پہاڑ پر پڑے تو ریزہ ریزہ کر دے ایک اور فرشتہ اندھا اور بہرا عذاب کے لئے مسلط ہوتا ہے اور قیامت تک عذاب ہوتا رہتا ہے پھر اس کا خیال کرے کہ قیامت میں زمین مثل گرم تانبے کے ہوگی سب بے قرار ہوں گے گرمی آفتاب سے بھیجے مثل ہانڈیوں کے پکتے ہوں گے کسی کو قرار و چین نہ ہوگا۔ جب یہ واقعات پیش آنے والے ہیں تو کس خواب غفلت میں پڑے سو رہے ہیں کیا معافی کا پروانہ آ گیا ہے اگر اعمال صالحہ سے امید نجات ہے تو معاصی کی وجہ سے احتمال مواخذاہ بھی ہے نہ معلوم نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں آئے یا بائیں میں۔ ایک بزرگ نے کہا ہے قیامت میں جس نے جو گناہ کیا ہوگا اس کی صورت نظر آئے گی مثلاً بدکار بدکاری کرتا ہوا نظر آئے گا چور چوری کرتا ہوا معلوم ہوگا۔ عقائد میں سے ایک یہ ہے کہ پل صراط پر گزر ہوگا ابرار سلامتی سے گزر جائیں گے۔ کفار و فساق کٹ کٹ کر گریں گے۔

شعر

چوں چنیں کار است اندر رہ ترا
خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

یہ مراد نہیں ہے کہ سو دمت بلکہ یہ کہ اس سے بے فکر نہ ہونا چاہئے اس تفصیل سے جو موت کو یاد کرے گا اور بیس مرتبہ اس سے گناہ کیسے صادر ہو سکتے ہیں وہ تو ولی کامل ہو جائے گا۔ حکایت (۲) مشہور ہے کہ ایک بادشاہ کسی درویش سے ملا کرتے تھے ایک مرتبہ جب چلنے لگے تو فقیر نے ایک گولی منگا کران کو دی بادشاہ نے درویش کا تبرک سمجھ کر اس کو کھا لیا تھوڑی دیر کے بعد اس قدر غلبۂ شہوت ہوا کہ بے تاب ہو گئے تمام بیبیوں اور لونڈیوں سے صحبت کی لیکن پھر بھی چین نہ آیا دل میں خیال کیا کہ مجھ کو ایک گولی سے یہ حالت پیش آئی شاہ صاحب دن میں کئی گولیاں کھاتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بڑے بدکار ہوں گے۔ درویش کو کشف سے بادشاہ کا خطرہ معلوم ہو گیا بعد کو جب بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو درویش نے کہا افسوس ہے کہ ایک چلہ میں شاید تمہارا انتقال

---

(۱) عذاب قبر اور حساب وغیرہ۔۱۲ (۲) حکایت۔

ہو جائے۔ سنتے ہی سناٹا نکل گیا فوراً تخت سلطنت چھوڑ چھاڑ کر گوشۂ عزلت اختیار کیا لڑکے کو ولی عہد بنایا چلتے وقت درویش نے بہت سی گولیاں دے دی تھیں اور کہا تھا صبح وشام ان میں سے ایک ایک کھالیا کرنا عبادت کی قوت رہے گی چنانچہ یہ روزان میں سے دو گولیاں استعمال کرتے رہے لیکن خبر بھی نہیں ایک دن کم ہوا دوسرا گزرا یہاں تک کہ چالیسواں دن آپہونچا لیکن موت کے مطلق آثار معلوم نہ ہوئے چالیس دن جب پورے گزر گئے تو بادشاہ درویش کے پاس پھر حاضر ہوئے اور مدت گزرنے اور موت کے نہ آنے کا حال بیان کیا درویش نے کہا یہ تمہارے خطرہ کا جواب تھا کہ یہ فقیر بڑا بدکار ہوگا۔ تمہیں تو چالیس دن کی مہلت تھی پھر بھی گولیوں سے تم پر کچھ اثر نہ ہوا مجھ کو تو ایک ساعات کا بھی اطمینان نہیں۔ موت (۱) کی یاد میں یہ بھی داخل ہے کہ معاملات کو صاف رکھے اپنے ذمہ لوگوں کے جو حقوق ہوں ان کی اطلاع اپنے عزیزوں کو کرتا رہے تاکہ اگر کسی کو رحم آجائے تو اس کے بعد اس کو دین سے بری کرادے صاحب قرض کی روح جنت میں نہیں جاتی بلکہ جب تک قرض نہ ادا ہو معلق رہتی ہے۔ افسوس ہے کہ جن ماں باپ نے اس کے واسطے اپنے ایمان کو فدا کر دیا ان کی روح کو یہ معلق رکھتا ہے۔ درمختار میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک ایک دانگ کے عوض میں جو دو تین پیسہ کا ہوتا ہے سات سو نمازیں دلائی جائیں گی آج تو لوگ اس کو بھی لازمۂ سیاست سمجھتے ہیں کہ کسی کا حق ٹال دیں۔ مطل الغني ظلم اجارہ میں قبل شروع کرنے کام کے جانبین کی رضامندی شرط ہے بعد کو اپنی تجویز سے دے دینا حرام ہے بلکہ حکام کو (۲) بازار کے نرخ میں دست اندازی شرعاً ناجائز نہیں ہے مالک کو اختیار ہے چاہے جس نرخ سے فروخت کرے نرخ تو اللہ ہی کی جانب سے ہے اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ۔ حقوق عباد ایسی سخت چیز ہے کہ حضور صلعم نے آخر وقت میں سب لوگوں کو جمع کر کر فرمایا کہ لوگو۔ جس کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو وہ آج مجھ سے لے لے میں چاہتا ہوں کہ قیامت میں مجھ پر دار و گیر نہ ہو۔ اگرچہ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کسی کا حق مار لیا لیکن حقیقت میں بہت ہی کم ظلم کا مال ہضم ہوتا ہے کسی پر کوئی مقدمہ قائم ہو گیا ہزاروں

---

(۱) موت کے پہلے کن کن باتوں کی ضرورت ہے۔۱۲

(۲) حکام کی دست اندازی بازار کے نرخ میں۔۱۲

کے وارے نیارے ہو گئے کسی کو کوئی بیماری ایسی لگ جاتی ہے کہ دوا اور ڈاکٹروں کی فیس میں گھر بک جاتا ہے کیا خوب کہا ہے ؎

تبرس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید
آنچہ بر تو آید از ظلمات وغم
آن زیبا کی وگستاخی ست ہم

بعض مسلمان سود میں مبتلا (۲) ہیں بہت کم ایسے ہوں گے جو سود دینے سے بچے ہوں گے جائداد کو رہن کرنے میں سود دیتے ہیں۔ بعض اوقات کسی نئی جائداد پر مائل ہو کر مکان و جائداد کو رہن کر دیتے ہیں اور برسوں سود دیتے رہتے ہیں جب سود دینے کی برائی سنتے ہیں تو اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہیں تو بہ نہیں کرتے ایسے لوگوں کے حال سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ تو موت کے خیال سے کوسوں بھاگتے ہوں گے اگر موت کو قریب و یقینی سمجھتے تو کیوں اس طول امل و بلائے عظیم میں مبتلا ہوتے ایسے لوگوں کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں کہ اس جائداد کو فوراً بیچ کر قرضہ سے اپنی جان کو آزاد کریں ورنہ سود کا قصہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا اگر کہیں سے روپیہ برسنے کی امید تھی تو خریداری ہی کو اتنے عرصہ تک ملتوی کرنا چاہئے تھا۔ جہاں تک تجربہ ہوا معلوم ہوا ہے کہ ایسے لوگ اکثر اپنی پہلی جائداد بھی کھو بیٹھتے ہیں سود لینے والے کو ستر گناہ ہوتے ہیں ان میں سے ادنیٰ یہ ہے کہ اپنی ماں سے برا کام کیا اور باقی ۶۹۔ اس سے زیادہ ہیں اور دینا اور لینا برابر ہے۔ لقوله عليه السلام "وهم سواء". اگر مہاجن آپس میں یہ تجویز کریں کہ کسی مسلمان کو ہرگز روپیہ نہ دیا جائے تم کاروائی کی ہزاروں تجویزیں سمجھ میں آجاویں لیکن دین کی تو فکر ہی نہیں سوچے ہماری بلا۔ اگر چھوڑنے کا ارادہ کیا جائے تو سو باتیں نکل آئیں۔ لیکن بعضے ان سے خلاف وضع ہوں گی۔ پھر وضع ہی کو اختیار کر لو یاد ین ہی کو دنیا میں کوئی کسی پر عاشق ہو جاتا ہے تو کیا کیا ذلت گوارا کرتا ہے برسرِ بازار جوتیاں کھانا گوارا ہوتی ہیں لیکن دوست کی گلی نہیں چھوٹتی اللہ تعالیٰ تو جوتیاں بھی نہیں لگاتے۔ محبت اور وضع داری جمع نہیں ہو سکتیں ؎

---

(۱) سود اور معاملات فاسدہ۔۱۲

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زرو گنج بصد حشمت قاروں باشی
در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہا ست بجاں
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

صاحبزادہ کی شادی میں اگر کہیں قرض نہ ملے تو آخری تجویز یہی ہوتی ہے کہ زمین زیور بیچ کر کام کیا جائے اور یہ سب بلاضرورت برادری کی خوشی کے واسطے کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے اگر یہ کام کیا جائے تو کیا بعید ہے۔ جب ظاہراً کوئی امید ادائی کی بالفعل نہیں تو کس امید پر زیور مکان رہن کرتے ہو کوئی بزرگوں کے پاس آکر کہتا ہے صاحب ایسا تعویذ یا وظیفہ بتلایئے کہ قرض ادا ہو جائے تو اس کی تو ایسی مثال ہے کوئی کہے صاحب ایسا تعویذ دے دیجئے کہ بیٹا ہو جائے لیکن نکاح نہ کروں گا تو پھر بیٹا کیا منہ سے جھڑے گا۔

چند امور ایسے عرض کرتا ہوں جن کا مرنے کے وقت خیال رکھنا چاہئے۔ ہماری حالت پر افسوس ہے کہ لوگوں کا مرنا بھی نہیں آتا۔ صحابہ سب لکھے پڑھے نہ تھے لیکن سمجھدار تھے یہ کیا مبارک شریعت ہے جس میں مرنے کے بھی قاعدے بتلائے گئے ہیں جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کے واسطے جانا مسنون ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کہے جس سے مریض کو کسی قسم کی یاس ہو بلکہ امید کی بات کہے۔ اکثر عورتیں مریض کے پاس بیٹھ کر ایسی (۱) ناامیدی کے کلمات کہتی ہیں جس سے مریض کی دل شکنی ہوتی ہے خدا ہی کرے گا جو یہ بخار جائے گا۔ شارع علیہ السلام نے جانوروں پر بھی رحم فرمایا اور حکم دیا کہ ایک جانور کے سامنے دوسرا نہ ذبح کیا جائے تا کہ اس کی دل شکنی نہ ہو بھلا اتنا تو خیال کرنا چاہئے کہ اس کا دل نہ دکھے گا جب ایسی ناامیدی کے کلمے اس کے سامنے کہے جائیں گے تو مریض کو ضرور اپنی جان کا اندیشہ ہو جائے گا بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جس سے اس کو معلوم ہو کہ اب مرض بہت ہی خفیف ہے اور میں جلد اچھا ہو جاؤں گا مسلمان کی دلداری بڑی عیادت ہے ہر امر میں اس کا لحاظ چاہئے اس کی نسبت ایک کام کی بات عرض کرتا ہوں جس سے یہ امر سہل ہو جائے دیکھو ہر شخص

(۱) مرض الموت میں عیادت کا طریقہ۔۱۲

جانتا ہے کہ اولیاء اللہ کی تعظیم ضروری ہے اور ان ہی مسلمانوں میں اولیاء بھی ہیں کسی کے ماتھے پر تو لکھا ہی نہیں۔ ہر شخص کی نسبت یہی گمان کرے شاید یہ اللہ کا ولی ہو یا آئندہ ہو جائے جب ایسا خیال کرے تو کیوں کسی کے دل کو دکھائے ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ یَّدِہٖ وَلِسَانِہٖ"۔ جب کسی مریض سے مایوسی ہو جائے اور خود اس کو بھی توقع زیست نہ رہے تو آخری وقت میں ان باتوں کا خیال رہے:

(۱) اس کے سامنے دنیا کی بات نہ کہی جائے کوئی بات ایسی نہ کہی جائے جس سے اس کی توجہ الی الحق میں فرق آوے جیسا کہ رواج ہے ایک طرف بی بی کھڑی کہہ رہی ہے مجھے کس پر چھوڑ چلے۔ کبھی بچوں کو اس کے سامنے لایا جاتا ہے تھوڑا سا وقت کلمہ کلام میں صرف کرتا وہ پیار و محبت میں جاتا ہے اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ خاتمہ تو خیر پر ہو جائے۔ خود کسی بچہ وغیرہ کو سامنے مت لاؤ اگر دیکھنا چاہے تو فوراً دکھلا دو تاکہ اس کے خیال سے بھی جلد نجات ہو۔

(۲) اس کے سامنے اللہ کا نام لو کلمہ پڑھو توبہ استغفار پکار پکار کر و لیکن اس سے مت کہو اس مضمون کو اردو میں بھی کہو کہ اے اللہ میرے گناہ معاف فرما تاکہ وہ بھی سن کر کہنے لگے۔ قرآن مجید خاص کر یٰسین شریف (۱) قریب پڑھی جائے۔ آج کل اس سورت سے جاہلوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے بعضے برا مان جاتے ہیں اور نعوذ باللہ نامبارک سمجھتے ہیں اس پر ایک قصہ یاد آیا۔ دہلی میں ایک ڈوم تراویح میں آتا تھا حافظ صاحب سے کہہ رہا تھا کہ جس دن وہ سورت آوے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے مجھے خبر کر دینا تاکہ میں اس روز نہ آؤں لوگ اس کو مذاق سمجھے ایک روز پوچھنے لگا حافظ صاحب وہ سورت کب آوے گی انھوں نے کہا وہ تو رات پڑھی گئی سنتے ہی نہایت غمگین ہوا اٹھ کر چلا گیا دوست آشناؤں سے ملا یہاں تک کہ تیسرے روز مر گیا یہ سورت اس وقت کے واسطے اس لئے مقرر فرمائی گئی ہے کہ اس میں بعث و نشر کا ذکر ہے قیامت کے حالات ہیں اور آخر میں یہ مبارک الفاظ بھی سُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ؕ نہایت مناسب ہیں تاکہ اس کے عقیدے تازے ہو جاویں۔

(۳) جنت کا ذکر کرے اور دوزخ کا ذکر مردہ کے سامنے نہ کیا جائے اس میں

---

(۱) مرض میں سورہ یٰسین شریف پڑھوانا۔۱۲

ایک نکتہ ہے ایمان کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں خوف وامید۔ خوف اس غرض سے کہ گناہوں کو چھوڑے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ رہے مرتے وقت اعمال کا موقع نہیں ڈرانے سے پھر کیا نتیجہ ہوسکتا ہے بجز اس کے کہ ناامید ہوکر بے ایمان مرے۔ سبحان اللہ یہ شریعت کیسی معقول ہے اگر غور کیا جائے تو سب حکمتیں سمجھ میں آجائیں۔

(۴) قریب مرنے کہ منہ قبلہ کی طرف کردیں۔

اگر مردہ کے منہ سے کوئی کلمہ کفر کا نکلا ہو یا کلمہ سے انکار کیا ہو تب بھی غیبت نہ کریں کیونکہ وہ معاف ہے جب بیماری میں معذور تھا تو اب تو بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہئے اور قلب کی ہم کو خبر نہیں ہے۔ حضرت مرشدی حاجی صاحبؒ بیان فرماتے تھے کہ لوہاری میں ایک بزرگ تھے جب وہ مرنے لگے تو لوگوں نے کہا حضرت کلمہ پڑھئے آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر کہا گیا پھر آپ نے منہ پھیر لیا لوگوں کو نہایت حیرت ہوئی دل میں کہنے لگے اب کیا امید ہے کہ جب ایسا شیخ کامل کافر ہوکر مرے میاںجی نور احمد صاحب (۱) تشریف لائے پوچھا خان صاحب کیسے ہو کہنے لگے الحمدللہ اور کہا حضرت ان لوگوں سے فرمادیجئے کہ مجھ کو دق نہ کریں یہ مجھ کو مسمے سے اسم کی طرف لاتے ہیں: شعر

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندراں دم شرم گاہ

جب مشاہدہ ہوگیا پھر اسم کی کیا ضرورت ہے ایسے مقام پر تو یہ تنزل ہے۔ اگر موت میں سختی ہو (۲) اس سے بھی بدگمان نہ کرنا چاہئے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے جب کسی بندہ کا درجہ بڑھانا منظور ہوتا ہے اور اس کے گناہ بہت ہوتے ہیں سکرات کی تکالیف میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے اور دنیا سے پاک وصاف ہوکر جاتا ہے۔ سای خرابیاں جہالت کی ہیں اگر علماء کی صحبت اختیار کریں تو ضروری باتیں سب معلوم ہوجاویں لوگوں کو تو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو مولوی صاحب کچھ کہہ بیٹھیں میاں تمہاری صورت خلاف شرع ہے پاجامہ خلاف سنت ہے برخلاف اس کے اگر کوئی طبیب کہہ دے کہ میاں تم پر سوداویت کا غلبہ معلوم ہوتا ہے جلد اس کا علاج کرلو ایسا نہ ہو کہ مرض بڑھ جائے تو اس کو بڑی شفقت سمجھتے ہیں

---

(۱) شاید یہ لفظ نور محمد صاحب ہو۔۱۲ (۲) سکرات موت علامت بد نہیں۔

افسوس ایمان کو بدن کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتے اگران لوگوں کو جسم کے برابر بھی ایمان کی محبت ہوتی تو مولویوں کی نصیحت پر برا نہ مانتے اوپر کی مثال سے معلوم ہو گیا ہو گا مردہ پر تکالیف وغیرہ دیکھ کر بدگمانی نہ کریں بعض اوقات اولیاء اللہ کو خود اپنا حال نہیں معلوم ہوتا کہ میں کس درجہ کا ہوں اس میں بہت سی حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں۔ بعض اوقات کسی نوکر کی خدمت تم کو پسند ہوتی ہے اوراس کو اپنے دل میں بہت محبوب وعزیز سمجھتے ہو لیکن اس کے سامنے اپنی توجہ ومحبت کا اظہار نہیں کرتے ایسا نہ ہو کہ گستاخ ہو جائے اور کام میں بے پروائی کرنے لگے یہی معاملہ بعض لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ایک بزرگ نجم الدین کھیڑی تھے ان کو اس کی نہایت تمنا والتجا تھی کہ کسی طرح یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میرا کیا مقام ہے ایک مرتبہ ان کے ایک مرید ان کی اجازت سے کسی دوسرے بزرگ کی زیارت کو گئے انھوں نے دریافت کیا کہو بھائی تمہارے یہودی پیر اچھے ہیں انہوں نے اس وقت بہت ضبط کیا جب واپس آئے تو پیر نے پوچھا کہ وہاں گئے تھے۔ کہا حضرت گیا تھا مگر وہ تو بڑے ہی گستاخ و بے ہودہ معلوم ہوتے ہیں انہوں نے کہا کیا معاملہ ہوا کہنے لگے حضرت آپ کی شان میں گستاخی کی جس سے مجھ کو نہایت رنج ہوا۔ پیر نے کہا کیا کہا۔ اصرار کے بعد حضرت انہوں نے آپ کو اس طرح پوچھا کہ تمہارے یہودی (۱) پیر اچھے ہیں۔ پیر کو یہ سنتے ہی حالت وجد طاری ہوگئی یہ ایک رمز تھا دونوں بزرگوں کے درمیان۔ انہوں نے یہ خبر کی تھی کہ تم کو نسبت موسوی حاصل ہے لیکن یہ نسبتیں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حاصل ہوئیں ہیں آپ ہی کی ذات مبارک سے فیض آیا ہے۔ بعض اوقات یہ نسبت ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر مرتے ہیں۔

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

ایک اس بات کا خیال چاہئے کہ بعد مرنے کے اس کی تعریف کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جنازہ گذرا لوگوں نے اس کی تعریف کی آپ نے فرمایا وَجَبَتْ۔ دوسرا ایک اور جنازہ گذرا تو لوگوں نے اس کی برائی کی۔ آپ نے فرمایا

(۱) نسبت موسوی۔۱۲

وَجَبَتْ صحابہؓ نے عرض کیا حضرت اس سے آپ کی کیا مراد تھی۔ آپ نے فرمایا جس کی تم نے تعریف کی اس کے واسطے جنت واجب ہوگئی اور جس کی تم نے برائی کی اس پر دوزخ واجب ہوگئی اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔ مکہ معظمہ میں اب بھی یہ دستور ہے جب بازار میں سے کوئی جنازہ نکلتا ہے سب دکاندار کھڑے ہوجاتے ہیں اور کہتے ہیں بڑا اچھا آدمی تھا۔ آخر معدن دین اور معدن الاسلام ہے یہاں لوگ کفار کی رسموں کی تقلید کرتے ہیں اور ہر امر میں ان سے فیض حاصل کرتے ہیں ہندوؤں کی رسمیں ہندوؤں کی عقیدے اختیار کرتے ہیں۔ چیچک میں گوشت سے پرہیز کرتے ہیں بعض جگہ شادی کی تاریخیں پنڈتوں سے پوچھی جاتی ہیں۔ بعض جگہ لباس ہندوؤں کا استعمال کرتے ہیں بجائے لنگی کے دھوتیاں باندھتے ہیں برتن ہندوؤں کے برتتے ہیں نام ہندوؤں سے رکھتے ہیں۔ جو زیادہ تہذیب (۱) وتعلیم کے مدعی ہیں وہ اپنی شاہ کے مناسب نصاریٰ کی وضع اختیار کرتے ہیں۔ کھانے میں چھری کانٹے استعمال کئے جاتے ہیں گویا اپنے انجام کی خبر دیتے ہیں کہ ہم چھریوں کا اور کانٹوں کے عذاب کے مستحق ہیں۔ لباس میں کوٹ پتلون کو پسند کرتے ہیں۔ ایسے ایک شخص ایک مرتبہ میرے پاس تشریف لائے تھے کوئی کرسی وغیرہ نہ تھی بہت دیر تک کھڑے رہے جب زیادہ دیر ہوئی اور بیٹھنے پر اصرار ہوا تو ایک دفعہ اپنے بدن کو تول کر بھد سے گر گئے چونکہ اجسام ثقیل کا میلان مرکز کی طرف ہوتا ہے اس وجہ سے گرنا تو سہل ہوا لیکن اٹھنے میں بیچاروں پر مصیبت ہوئی۔ انگریز جن کا لباس ہے ان کو اس کی کچھ ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ مزاج ان کے گرم ہیں اس وجہ سے جنگلوں میں رہنا پسند کرتے ہیں حفاظت کے لئے کتے رکھتے ہیں بھلا ہم لوگوں کو کتوں (۲) کی کیا ضرورت ہے بجز اس کے کہ ایک شان سمجھی جائے اور حاکم وقت کی تقلید ہے۔ ایک شخص ریل میں کتے لئے ہوئے بیٹھے تھے اور ظاہراً وضع بھی ایسی نہ تھی جس سے مسلمان سمجھے جاتے۔ ایک دوسرے صاحب گئے تو آپ نے شکایت کی کہ آپ نے سنت سلام سے کیوں پرہیز کیا۔ انہوں نے عذر کیا کہ حضرت میں نے مسلمان نہیں سمجھا تھا کہنے لگے کیا اسلام صرف وضع سے معلوم ہوتا ہے اور کہنے لگے میں نے سنا ہے حدیث شریف میں مذکور

(۱) نئی تہذیب ۔۱۲ (۲) کتا پالنا۔

ہے کہ جہاں کتا ہوتا ہے وہاں فرشتے نہیں آتے۔ پس یہ خیال کر کے کہ جب تک کتا میرے پاس رہے گا موت کا فرشتہ نہیں آنے کا میں نے کتا رکھنا اختیار کیا ہے۔ انہوں نے کہا جناب کتے بھی تو مرتے ہیں جو فرشتہ کتے کی جان نکالے گا وہی آپ کے واسطے بھی کافی ہوگا۔ کتے کی موت مروگے۔

حکایت

ایک بزرگ کے زمانہ میں کوئی کفن چور مشہور تھا اور وہ ان کا عقیدت مند بھی تھا ایک روز ان بزرگ نے چور سے کہا کہ تم ہمارا کفن بھی کیوں چھوڑو گے کہنے لگا حضرت آپ کیا فرماتے ہیں آپ کے ساتھ ایسی گستاخی کر کے کہاں رہوں گا درویش نے کہا تمہارا کچھ اعتبار نہیں مجھ کو اطمینان نہیں ہوسکتا۔ چور نے کہا آخر آپ کو کس طرح اطمینان ہو۔ کہا مجھ سے پانچ روپیہ لے لو۔ اس نے کہا آپ کے اطمینان کے لئے یہی سہی۔ ایک روز درویش صاحب کا انتقال ہوگیا اور کفن چور اپنی حسب عادت کفن کی فکر میں گئے جب ہی اندر ہاتھ بڑھایا انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ صاحب یہی ٹھہری تھی۔

اولیاء اللہ سے شاذ و نادر ایسی باتیں وقوع میں آئیں ہیں عقیدے نہ خراب کرنے چاہئیں۔ ہاتھ پکڑے ہی کفن چور فوراً ڈر کر مر گیا وہ بزرگ اپنے خلیفہ کو خواب میں نظر آئے۔ اور یہ سب قصہ بیان کیا کہ وہ بد عہد آیا تھا۔ دیکھو ہم سے روپیہ بھی لے چکا تھا لیکن پھر بھی اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔ ہم نے تو ہنسی سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا لیکن وہ ایسا بزدل تھا کہ مر ہی گیا۔ ہمیں تو محض اسے مطلع کرنا تھا کفن کا کچھ ایسا خیال نہ تھا ؎

عُریاں ہی دفن کرنا تھا زیر زمیں مجھے
ایک اور دوستوں نے لگا دی کفن کی شاخ

خلیفہ کو حکم دیا کہ تم اس کی تجہیز تکفین کرو اور میرے پاس دفن کرنا۔ مجھے ہاتھ پکڑنے کی لاج ہے میں اس واسطے بخشش طلب کروں گا۔ بزرگوں سے تعلق رکھنے کا یہ نفع ہے۔

ایک ضروری امر یہ ہے کہ کفن (۱) دفن میں دیر نہ کی جائے اس میں گوشت و پوست بگڑ جانے کا احتمال ہے بدبو سے آب و ہوا کے خراب ہونے کا بھی اندیشہ ہے

(۱) دفن میں عجلت۔۱۲

شریعت نے ان امور پر کیسی توجہ فرمائی ہے کیسی پردہ داری ہے۔ اگر اولاد ماں باپ کو ایسی ردی حالت میں اپنی آنکھوں سے دیکھے گی تو اس کو کیسا صدمہ ہوگا یا نفرت ہو جائے گی۔ بعض اوقات کوئی ایسا مادہ ہوتا ہے جس کے اثر سے خراب بدبو آجاتی ہے بعض لاش دوسری جگہ لے جاتے ہیں اس خیال سے کہ ماں باپ کے پاس دفن کریں گے کیا وہاں بھی ماں کا دودھ پیئے گا اگر منع کیا جائے تو سختی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے مومن کے واسطے گھر سے اس کی قبر تک ہزار ہا فرشتے دعاء واستغفار کرتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر زیادہ فاصلہ ہوگا اس کی رحمت کا سامان ہے۔ یہ بڑی نادانی ہے۔ خدا اور رسول کی مصلحتوں میں دخل دینا۔ اگر کوئی باورچی کھانا پکاتا ہے تو کوئی اس کے کام میں دخل نہیں دیتا۔ اگر انجینئر اچھے خاصے مکان کے گرانے کا حکم دے تو فوراً اگر لاکھ روپیہ کا مکان ہو گرا دیا جاتا ہے نہ معلوم اللہ و رسول کے کاموں میں دخل دینے کی کیوں جرأت کی جاتی ہے یہ سب کو معلوم ہے کہ انسان کی خلقت خاک ہے اور زمین اس کی اصل ہے اس لئے جہاں تک جلد ممکن ہو اصل میں پہونچا دو کیا بری رسم ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اختیار میں چھوڑ دیتے ہیں عورتوں کو ان امور میں ہرگز دخل نہ دینے دو۔ ان کو رونے جھکنے دو۔ عاقل مردوں کو جمع کرو۔ بعد مرنے فوراً اہتمام تجہیز و تکفین شروع کردو جب لے کر چلو تو جلدی چلو حدیث شریف میں ہے مردوں کو جلد قبر کی طرف لے چلو۔ اگر نیک ہے تو اس کی راحت کی طرف جلد لے جاؤ اگر بد ہے تو جلد اپنی گردنوں کو اس سے چھڑاؤ۔ اگر اچھا ہے تو انعام واکرام کی طرف لے جاتے ہو جیسے پیاسے کو پانی کے پاس۔ دار الظلمت جس کو سمجھے ہوئے ہو وہ مومن کے لئے بڑی نورانی ہے۔ ایک روز شاہ اکبر کی رات میں آنکھ کھل گئی۔ چراغ گل ہو گیا تھا بہت گھبرائے قبر یاد آئی فوراً چراغ روشن کرایا بیربل کو بلایا اور کہا کہ اس اندھیرے کو دیکھ کر مجھ کو قبر کی تاریکی یاد آئی۔ جس سے نہایت وحشت ہے۔ خدا نے دشمن کے منہ سے سچی بات نکلوا دی اس نے کہا حضور مسلمانوں کی قبر میں اندھیرا ہی نہیں۔ آپ کے نبی کی ۲۳ سال کی روشنی جیسے آب و تاب کے ساتھ اب تک قائم ہے اسی طرح جب سے آپ زیر زمین تشریف لے گئے ہیں وہی روشنی زیر زمین موجود ہے جس سے مسلمانوں کی قبریں روشن اور نورانی ہو جاتی ہیں اگر چہ یہ بات اس نے خوشامد میں کہی لیکن سچی کہی فی

الحقیقت حضورؐ کی ذات مبارک ایسی ہے جس سے قبر میں روشنی ہوتی ہے۔ مردہ سے جب فرشتے پوچھتے ہیں۔ مَنْ ھٰذَا الرَّجُلُ مومن جواب میں کہتا ہے یہ ہمارے نبی علیہ السلام ہیں۔ نورایمان سے اس جواب کی توفیق ہوتی ہے۔ یا حضورؐ کے روضۂ مبارک سے اس کی قبر تک پردے اٹھ جاتے ہیں اور یہ صورت مبارک کو دیکھ لیتا ہے اس طرح زیارت کی امید پر مسلمانوں کو موت کی تمنا بھی جائز ہے کسی نے شوق میں کیا خوب کہا ہے :

کششے کہ عشق دارد نہ گذاردت بدنیساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

ایک خراب رسم موت (۱) کے متعلق یہ ہے کہ موت کی خبر دور دراز تک دی جاتی ہے باہر سے لوگوں کی آمد شروع ہوجاتی ہے گھر والے کو مہمان داری کی فکر میں ایک دوسری مصیبت پیش آتی ہے آٹے پسوائے جاتے ہیں دانے دلوائے جاتے ہیں شادی کی طرح جنس کا اہتمام کیا جاتا ہے اور مہمانوں کی آسائش کی فکر کی جاتی ہے۔ اس سے سمجھدار شخص خیال کرسکتا ہے کہ اس طرح لوگوں کے آنے سے اس مصیبت زدہ کا غم غلط ہوتا ہے یا اور بلا کا سامنا ہے۔ یتیم و بیوہ کا مال اس طرح برباد ہوتا ہے۔ اس کی اصلاح یوں ہوسکتی ہے کہ عزیز واقارب کو موت کی اطلاع دی جائے اور ساتھ ہی اس میں یہ بھی لکھ دیا جائے کہ تم ہرگز یہاں کا ارادہ نہ کرنا ہم نے مولویوں سے ممانعت سنی ہے۔ جانے والا تو رسم ادا کرنے کو جاتا ہے ورنہ بعد مرجانے کے اس کے وہاں جانے کی اب کیا حاجت ہے اس کو سن کر خوش ہوجائے گا کہ ایک دردسر گئی۔ اگر بالفرض ناراض بھی ہوگا تو مضائقہ نہیں خدا اور رسول کا رضامند کرنا مقدم یہ نہیں ہوسکتا کہ مخلوق بھی خوش رہے اور اللہ ورسول کے احکام کی پوری تعمیل ہوجائے اگر اللہ سے کچھ تعلق ہے تو کوئی دقت و دشواری نہیں دنیا میں اگر کوئی کسی پر عاشق ہوجاتا ہے تو اس کی رضا کے مقابلہ میں کسی کی ملامت و فضیحت کی پرواہ نہیں کرتا اگر اس محبت میں یہ امور پیش آدیں تو کیا عجب ہے۔

ایک رسم یہ ہے (۲) کہ مردے کے ساتھ ناچ وغیرہ قبر پر لے جاتے ہیں اس

---

(۱) رسم موت کے بعد۔ (۲) رسم دیگر۔

میں اظہار ونمود کی نیت ہوتی ہے اگر کوئی اس نیت کا انکار کرے تو اس سے پوچھا جائے کہ اگر صرف ایصال ثواب مقصود تھا تو قبر تک لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسے طریقے اختیار کرنے چاہئیں تھے جس سے ثواب زیادہ ہوتا صدقات میں سب جانتے ہیں کہ اخفا بہتر ہے۔ باوجود انکار کے منکرین کے دل اپنی نیتوں سے خوب واقف ہوں گے کہ یہ اناج مردے کے واسطے ہوتا ہے یا برادری کے خوف سے اور ملامت سے بچنے کے لئے اس طریقے کو بالکل چھوڑ دینا چاہئے اور ہرگز کسی ملامت گر کی ملامت کا خوف نہ کرنا چاہئے۔ اس کا ہرگز انتظار نہ کرنا چاہئے کہ پہلے کوئی دوسرا کرے۔ برادری کے برا کہنے کا خوف ہے اللہ ورسول کی خفگی کا خیال نہیں۔ ہمت کرو ان رسوم کفار کو چھوڑ دو اس میں تمہارے دین ودنیا دونوں کی سلامتی ہے۔ ایصال ثواب سے منع نہیں کیا جاتا لیکن اس میں نیت اظہار ونمود نہ ہو۔ بالخصوص غریبوں کو احکام شریعت پر زیادہ توجہ سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ امیر تو اپنے زعم میں یہاں کچھ عیش اٹھا چکے ہیں اور تمہاری سب امیدیں آخرت پر ہی منحصر ہیں تو کیسے افسوس وحسرت کا سبب ہوگا اگر تم اپنی حرکتوں سے آخرت بھی برباد کر دو گے۔

چوتھا وعظ[۱]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(خطبۂ ماثورہ) مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے امر پر متنبہ فرمایا ہے جس کا عقیدہ تو سب کو ہے لیکن بوجہ غفلت کے خیال نہیں ہوتا۔ انسان جو کچھ منہ سے نکالتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں سب حرف بحرف لکھا جاتا ہے ہر مسلمانا جانتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے رہتے ہیں ایک نیکیوں کا لکھنے والا دوسرا بدی کا۔ خواہ قولی ہوں یا فعلی فرشتے برابر لکھ لیتے ہیں غرض یہ ایسا امر ہے جس کو تمام عوام وخواص جانتے ہیں۔ باوجود اس کے اکثر زبان کو ان ہی باتوں میں صرف کیا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہیں۔ اور اعضاء سے اس قدر گناہ نہیں سرزد ہوتے جتنے یہ زبان کرتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اور سب گناہوں میں کچھ دقت ومشقت بھی ہوتی ہے کچھ مقدمات واسباب بھی ہوتے ہیں بخلاف زبان کے گناہ کے کہ اس میں کچھ مشقت وخرچ نہیں۔

اور گناہوں کی صورت نمایاں ہوتی ہے مثلاً بدکاری کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے چلتا پھرتا بات کرتا معلوم ہوگا۔ اسی طرح شراب وغیرہ کے آثار معلوم ہوجاتے ہیں لیکن زبان کا کوئی اثر معتدبہ نہیں معلوم ہوتا۔ چونکہ یہ امر بہت بری غفلت کا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔ دو قسم کی باتیں ہیں جن میں زبان استعمال کی جاتی ہے۔ ایک وہ جن کے واسطے پیدا کی گئی ہے۔ دوسری وہ باتیں ہیں جن سے زبان کو بچانا چاہئے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے طاعت وعبادت کے واسطے زبان کو پیدا کیا ہے۔ جیسے چمچہ فیرنی دودھ کے واسطے بنایا گیا ہے۔ بجائے اس کے کوئی اس سے غلاظت اٹھانے لگے۔ لیکن اگر کوئی شخص چمچہ کو اس طرح استعمال کرے تو ہم اس کو بڑا احمق سمجھیں۔ حالانکہ زبان کے چمچہ سے ہم ہر وقت غیبت وجھوٹ جمع کر رہے ہیں فرق اس قدر ہے کہ چمچہ ایک لوٹے پانی سے پاک

(۱) بمقام چرتھاول ضلع مظفر نگر۔

اور صاف ہو سکتا ہے لیکن وہ غلاظت جو ہم نے زبان کے چمچہ سے جمع کی ہے سات سمندروں کے پانی سے بھی نہیں دھل سکتی کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ توبہ سے جب چاہیں گے (۱) سب گناہ معاف ہو جائیں گے اللہ بڑا غفور رحیم ہے توبہ بہت دشوار ہے۔ حدیث شریف میں التوبة ندمٌ یعنی توبہ گناہوں کے بعد دل کی سوزش ودھن کا نام ہے۔ اور یہ سوزش بے قراری پیدا کرنا انسان کے قابو میں نہیں۔ چونکہ ہم لوگوں کو توبہ کی حقیقت ہی نہیں معلوم ہے اس وجہ سے سہل سمجھ لیا ہے۔

اکثر باتیں جو زبان سے نکلتی ہیں بری ہیں۔ صبح سے شام تک اس میں بڑا مشغلہ ہے ایک بری مہلک چیز جھوٹ ہے۔ بعض جھوٹ بولنے پر اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھتے ہیں لیکن جب ان ہی کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارا حاکم جھوٹ سے بہت ناخوش ہوتا ہے اور یہ امر اس سے چھپا نہیں رہے گا تو اس کی رضامندی کے واسطے چار پیسے کا نقصان کرتے ہیں اور باز رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا اتنا بھی خیال نہیں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہمارے دل میں سچی نہیں ہے۔ جب دیکھا کہ دنیا کا کوئی نقصان نہیں ہوتا تو دین کا کام کر لیا جہاں چار پیسے کا نقصان ہوا فوراً چھوڑ بیٹھے یہ کیا دین داری ہے حالانکہ اصلی ضرورت کا شریعت نے خود لحاظ فرمایا ہے۔ اور بعض موقعوں پر جھوٹ بولنے کی اجازت دے دی ہے۔ مثلاً دو شخصوں میں رنجش ہے ان کی صلح کرانے کی غرض سے اگر کوئی جھوٹی باتیں کرے تو جائز بلکہ ثواب ہے ایک سے کہہ دے کہ وہ تمہارے ملنے کے بہت مشتاق ہیں ہر وقت آپ کی تعریف کرتے رہتے ہیں اسی طرح دوسرے سے کہے کہ جب سے آپ سے مفارقت ہوئی ہے ان کو نہایت ہی بے چینی ہے اسی طرح بی بی کی رضامندی کے لئے شارع علیہ السلام نے جھوٹ بولنے کی اجازت دی ہے۔ سچی اشتہا میں طبیب کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور کاذب میں منع کرتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ طبیب کے منع کرنے سے خوش ہوں اور طبیب مطلق نے جہاں ممانعت فرمائی ہے اس سے ناراضی ہو جب ماں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہارے نفع کی چیز ضرورت کے وقت تم کو نہ دے تو اللہ سبحانہ تعالیٰ تو ماں سے بدر جہا زیادہ شفیق ہیں تمہارے نفع کی چیزوں سے تم کو کیوں روکتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے

---

(۱) توبہ آسان نہیں ہے۔

موقعوں پر شریعت نے اجازت فرمائی ہے۔ مگر ضرورت وہی ہے جس کو شریعت نے ضرورت سمجھا۔ اس میں تمہارے خیال کا اعتبار نہیں ہے۔ جہاں ممانعت فرمائی ہے وہ موقع نفع کا نہیں ہے۔ اپنے آپ کو مضطر و مجبور سمجھنا عین حماقت ہے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں میں علماء سے پوچھنے کی عادت جاتی رہی ورنہ یہ نوبت نہ آتی۔

انسان جب کثرت سے جھوٹ بولتا ہے تو ایک روز اللہ کے یہاں جھوٹوں کے دفتر میں اس کا نام درج کر لیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال میں جھوٹ ہوتا ہے اسی طرح افعال میں بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص لوگوں کو دکھلانے کو خیرات کرے اور ثواب کی نیت نہ ہو تو وہ فعلاً جھوٹا ہے۔ جھوٹ میں جس قدر خداع و فریب زیادہ ہوگا اسکا گناہ بھی زیادہ ہوگا۔

جھوٹ (۱) تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو بلکہ اصلاح ہو یہ جائز ہے۔ دوسری وہ کہ دوسروں کو ضرر پہونچے یہ حرام ہے۔ تیسری وہ جس میں نہ کوئی ضرر ہو نہ نفع یہ لغو ہے۔ اسکو بھی چھوڑنا چاہئے کیونکہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

علاوہ جھوٹ کے ایک زبان کا گناہ غیبت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کے پیچھے ایسی بات کہی جائے جس سے اس کی توہین ہو۔ خواہ وہ برائی اس کی ذات سے متعلق ہو یا اس کی کسی چیز کا عیب ہو۔ مکان یا گھوڑے یا کپڑے کی مذمت بھی غیبت میں داخل ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس میں ہم کو ذرا بھی احتیاط نہیں ہے کوئی وقت ایسا نہیں جس میں دو چار لوگوں کی غیبتیں نہ کرتے یا سنتے ہوں۔ ہم لوگوں کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور ایک اس کے پڑوسی کا مقدمہ دیوانی میں پیش ہو تو اس کے اوپر افسوس کرے اور اپنی مصیبت کو بھول جائے یہ نہ خیال کرے کہ میں تو کل کو لٹکتا ہوں گا اس کی کیا فکر کروں۔ دوسروں کے ذرا ذرا سے عیبوں پر نظر ہے اور مجمعوں میں بیان کئے جاتے ہیں اور اس سے بڑے بڑے عیبوں میں خود مبتلا ہیں ان کا کچھ ذکر نہیں اگر اپنے عیبوں کا ذکر تو کیا خیال بھی ہوتا تو کبھی اصلاح کی بھی فکر ہو جاتی۔ مگر اپنے آپ کو تو ہر شخص نے بالکل بے گناہ سمجھ لیا ہے۔ غیبت سننے سے جب منع کیا جاتا ہے تو بعض شخص یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ صاحب اگر ہم کسی کی بات نہ سنیں۔ تو اپنے دل میں وہ برا مانے۔ لیکن اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اوپر سے

---

(۱) جھوٹ کی قسمیں۔

کسی پر پیشاب کردے اور وہ اس خیال سے کہ اگر میں ہٹوں گا تو یہ برا مانیں گے پڑا ہوا پیشاب کراتا رہے۔ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ اس طرح سے کوئی اپنے اوپر پیشاب کرانے سے کبھی راضی نہ ہوگا۔ پھر غیبت تو اس سے بھی زیادہ ناپاک و نجس ہے پیشاب سے اگر کپڑا ناپاک ہوتا ہے تو اس سے دل ناپاک و نجس ہو جاتا ہے گناہوں میں مزہ پانا دل کی بیماری کی علامت ہے۔ جیسے سانپ کے کاٹے ہوئے کو نیم کے پتے میٹھے معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ مٹھائی موت کا پیام لاتی ہے۔ ابتداء میں اگر اصلاح کی کوشش کی جائے تو سہل ہے ورنہ پھر تو مثل بخار کے مریض کے ہے جس کو بد پرہیزوں سے دق ہوگئی ہو اور پھر بھی اس نے کچھ پرواہ نہ کی آخر کو درجۂ رابع میں پہونچ کر لاعلاج ہو گئے۔ اسی طرح جو لوگ گناہ پر برابر اصرار کرتے ہیں اور مالک کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے دلوں پر مہر ہو جاتی ہے جس کے سبب سے پھر توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایسے ہی لوگوں کے بارہ میں فرمایا ہے: خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ اگر چہ گناہ فی الوقت مزیدار معلوم ہوتا ہے لیکن وہ مزہ فوری وفانی ہے اس کی سزا دائمی و باقی ہے دنیا کے مزے بالکل خواب و خیال ہیں انسان کو چاہئے کہ ان کے واسطے اپنی آخرت کی دولت و عزت کو نہ برباد کرے جیسے کسی کی حکایت ہے ایک شخص کی عادت تھی کہ سوتے میں ہمیشہ پیشاب نکل جاتا تھا اس کی بی بی نے کہا یہ کیا حماقت ہے اس نے کہا کہ خواب میں شیطان آتا ہے اور کہتا ہے چلو سیر کو چلیں لیکن پہلے پیشاب کرلو میں سمجھتا ہوں پاخانہ ہے پیشاب کو بیٹھ جاتا ہوں اور پیشاب نکل جاتا ہے اس کی بی بی نے کہا آج شیطان سے کچھ روپیوں کی فرمائش کرنا اس نے کہا اچھا اگلے روز جب خواب میں پھر شیطان سے ملاقات ہوئی تو کہا یار تم روز بستر پر پیشاب تو کرادیتے ہو لیکن ہماری کچھ مدد نہیں کرتے شیطان نے کہا کس چیز کی ضرورت ہے غریبی کی شکایت کی اس نے کہا آپ اگر پہلے سے ذکر کرتے تو اس کا ضرور خیال کیا جاتا شیطان نے اس کو ساتھ لے کر ایک بادشاہ کے یہاں جا کر نقب لگایا اور بہت سے توڑے روپیوں کے اس کی کمر پر لاد دیئے یہاں تک کہ پاخانہ خطا ہو گیا صبح کو جب آنکھ کھلی تو روپیہ ایک بھی نہ پایا لیکن بستر آلودہ تھا اس کی بی بی نے کہا یہ کیا ہوا سب قصہ بیان کیا۔ بی بی نے کہا ایسے روپیوں سے باز آئی آئندہ معاف رکھو پیشاب ہی کرلیا

کرو۔ یہی حال دنیا کی لذتوں اور مزوں کا ہے۔

حال دنیا را پرسیدم از فرزانہ
گفت یا خوابی ست یا بادی ست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دردے بہ بست
گفت یا غوے ست یا دیوے ست یا دیوانہ

عرصہ تک گناہ کرنے سے دل میں سیاہی ہو جاتی ہے اور پھر گناہ کی برائی محسوس نہیں ہوتی۔ ابتدا میں جب کوئی رشوت لیتا ہے دل میں بہت رنج رہتا ہے اور شرماتا ہے کہ یہ مجھ کو بڑا لالچی سمجھے گا جب دو چار مرتبہ لیتا ہے تو پھر شرم و حیا نہیں رہتی یہاں تک کہ پھر خود منہ سے مانگ کر لیتا ہے۔ اور جس روز کچھ نہیں آتا بہت رنج و صدمہ ہوتا ہے اور جس روز کچھ مل گیا عید ہو گئی۔ اصرار سے توبہ کی توفیق نہیں ہوتی۔ ایک شرابی سے توبہ کے واسطے کہا گیا تو اس نے کہا مجھے اللہ کی رحمت پر امید ہے اور آخر وقت شراب پی کر مر گیا۔

اشرف المواعظ حصہ دوم (۲)

طلب جنت دین میں داخل ہے!

بمقام: محلہ کوٹلہ میرٹھ .... بتاریخ ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۲ھ

بعد نماز مغرب کل وقت ڈھائی گھنٹہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِداً وَّمُصَلِّیًا

خطبہ ماثورہ۔ اما بعد! فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ "وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفۡسَ عَنِ الۡھَوٰی فَاِنَّ الۡجَنَّۃَ ھِیَ الۡمَاۡوٰی" یہ آیت سورۃ والنازعات کی ہے۔ اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے ایک ایسی چیز کے حاصل کرنے کا طریقہ بتایا ہے جس کا ہر شخص خواستگار ہے جس کو ذرا بھی اطلاع اس کی ہو جائے وہ مفتون ہو جائے۔ مگر پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ کسی چیز کی خواہش معتبر جب ہی ہوتی ہے کہ جب اس کے ذرائع میں بھی سعی کی جائے جو شخص کسی شئے کا طالب تو ہو مگر اس کے اسباب حاصل نہ کرے اس کو اس شئے کا طالب نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً کوئی مالدار ہونا چاہے مگر جب اس سے کہیں ان علوم کو حاصل کر جو اکتساب (۲) روپیہ کے لئے ضروری ہیں پھر کسی واقف کار کی صحبت میں رہ کر ان علوم پر عمل یعنی اکتساب میں مہارت ہو پھر کوئی کام شروع کر اور آمدنی اور خرچ کا حساب رکھ کہ خرچ آمدنی سے کم رہے تاکہ کچھ پس انداز ہو اور تھوڑا جمع ہو کر ایک رقم ہو جاوے اور تمول حاصل ہو تو کہتا ہے واہ صاحب مجھ سے علوم میں محنت نہیں ہوتی کسی کے نخرے کیوں اٹھائے جانے لگے پھر پابندی کا بار خواہ مخواہ اپنے اوپر کیوں لوں اور

---

(۱) حضرت مولانا صاحب کے وعظ کا یہ قاعدہ ہے کہ سب سے پہلے خطبہ ماثورہ پڑھتے ہیں پھر اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کسی آیت یا حدیث کا وعظ شروع فرماتے ہیں۔ خطبہ ماثورہ من اولہ الی آخرہ مواعظ اشرفیہ کے اول میں اور اشرف المواعظ حصہ اول میں بھی لکھ دیا گیا ہے اس لئے اس جگہ نہیں لکھا گیا۔۱۲

(۲) طلب بلا اکتساب ذرائع معتبر نہیں۔۱۲

خرچ کو محدود کر کے دل کو کیوں ماروں جتنا جی چاہے گا خرچ کروں گا اس شخص کو تمول کا طالب نہیں کہتے اس کو ابوالہوس کہتے ہیں۔

یا کوئی شخص جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرنا چاہتا ہے مگر ان راستوں کو نہیں اختیار کرتا جن سے جامع مسجد میں پہونچے اور قدم نہیں بڑھاتا تو یہ شخص جامع مسجد میں کیسے پہونچے گا اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ یہ ثواب کا طالب ہے یا کوئی شخص چاہتا ہے کہ غلہ اس کے پاس آجائے اور جب کہتے ہیں کھیتی کر زمین میں بیج ڈال پانی دے کھیت کی نگاہ داشت کر تو کہتا ہے کون کھیتی کرے اور سینچائی کس سے ہو سکتی ہے کون گھر چھوڑ کر حفاظت کے لئے جنگل میں جا کر پڑے مجھے تو بس غلہ چاہئے۔ یہ شخص احمق ہے اور غلے کا طالب ہی نہیں ہے۔

اور جیسے کوئی اولا چاہے اور جب کہا جائے نکاح کر اولاد ہو جائے گی تو کہتا ہے کون بکھیڑے میں پڑے نکاح میں ایک رقم صرف کوں پھر نان ونفقہ کا مطالبہ ہو۔ مکان چاہئے مہر کی فکر ہو اور طرح طرح کی مصیبتیں کون مول لے نکاح تو کرنے کا نہیں بس میں تو لڑکا چاہتا ہوں یہ احمق ہی ہے۔ اللہ میاں نے اس فعل خاص کو ولد کے لئے سبب قرار دیا ہے اس کو اختیار کرو اولاد بھی مل جائے گی۔

اور جیسے کہ کوئی چاہے کہ پیٹ بھر جائے اور جب کہیں کھانا کھاؤ لقمے کو چباؤ اور نگلو پیٹ بھر جائے گا تو کہتا ہے کہ صاحب میں یہ تو کرنے کا نہیں۔ ظاہر ہے کہ محض احمق ہے۔

توضیح کے لئے کئی مثالیں دی گئیں تا کہ یہ مقدمہ ذہن نشین ہو جائے میں آگے انشاء اللہ ان سے کام لوں گا غرض طالب اگر ذرائع کو اختیار کرے تو طالب ہے ورنہ بوالہوس ہے۔ ایسا آدمی ضرب المثل ہو جاتا ہے دیکھنے اور سننے والے کہا کرتے ہیں کہ آدمی تو معقول ہیں مگر خبط ہو گیا ہے دیکھئے پڑھ لکھ کر دماغ خراب ہوا ہے نکاح تو کرتے نہیں اور اولاد کی دھن ہے کیسا افسوس ہے۔ وجہ یہی ہے کہ یہ مسلم ہے کہ جو سعی نہ کرے ذرائع میں وہ پاگل ہے۔ پس اب تعجب یہ ہے کہ یہ قاعدہ دنیاوی امور میں تو ہر کس و ناکس عالم و جاہل بڑے اور چھوٹے سب کے نزدیک تسلیم کیا ہوا ہے اور جب دین کا معاملہ آپڑتا ہے تو بڑے بڑے عقلاء احمق بن جاتے ہیں وہاں مقصود کی زبانی طلب کو ہی طلب کہنے لگتے ہیں اور اطمینان رہتا ہے کہ ہم بڑے طالب ہیں اور اس طلب پر نتیجہ

ضرور مترتب ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو زبان سے اولاد اولاد کہنے والے کو بھی طالب ولد کہنا چاہئے اور امید رکھنا چاہیے کہ اس کے اولاد ہوگی (معلوم نہیں کس طرح ہوگی شاید مرد کے بچہ پیدا ہوگا) معلوم نہیں کیا بات ہے فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ دنیا میں تو اسباب کو دخل ہو اور آخرت میں نہ ہو۔ بلکہ معاملہ برعکس معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی اسباب کو اتنا دخل ہے اپنے مقاصد میں نہیں ہے جتنا کہ آخرت کے اسباب کو مقاصد آخرت میں ہے۔ یہ بات ظاہراً مشکل معلوم ہوتی ہوگی کیونکہ ذہن نشین یہی ہو رہا ہے کہ دنیوی کام تو اختیاری ہیں اور اخروی نہیں۔ جو لوگ ذرا عقل مند ہیں وہ اتنا اور کہہ لیتے ہیں کہ ہوتا تو سب کچھ تقدیر ہی سے ہے مگر اسباب حق تعالیٰ نے مقرر فرما دیئے ہیں۔ مسئلہ تقدیر کو سمجھا مگر غلط سمجھا کہ چاہے فاسق ہوں یا فاجر ہوں اگر تقدیر میں جنت ہے تو جائیں ہی گے دنیا میں بھی یوں ہی کیوں نہ کیا کہ اسباب (۱) کو حاصل کریں یا نہ کریں اگر تقدیر میں مسبب نے لکھا ہے تو ملے ہی گا نہ کوئی پیشہ کریں نہ کھیتی کریں نہ کھائیں۔ اگر قسمت میں تمول اور غلہ اور پیٹ بھرنا لکھا ہے تو ہو ہی جائے گا بلکہ جیسا یہ خیال ہے کہ فسق وفجور کے ساتھ بھی جنت مل سکتی ہے باوجودیکہ یہ اعمال اس کے مضر ہیں اس کے ساتھ یہ خیال بھی تو ہونا چاہئے تھا کہ دنیا کہ مسباب درصورت ذرائع اختیار نہ کرنے کے تو کیا ان کے منافی اسباب کو اختیار کرنے کی صورت میں بھی اگر تقدیر میں ہیں تو مل ہی کر رہیں گے تو جس کو غلے کی طلب ہو اگر اس کے یہاں کھیت کھڑا ہو تو کھڑے ہوئے کھیت میں آگ لگا دینا چاہئے اور خوش ہونا چاہئے کہ اب غلہ ملے گا جیسا کہ فسق وفجور کر کے اطمینان سے بیٹھے ہیں کہ جنت ملے ہی گی۔ غلطی یہی ہے کہ دنیا کو اختیاری سمجھا اور آخرت کو نہیں یا تو دونوں کو اختیاری سمجھا ہوتا یا دونوں میں تقدیر پر بیٹھے رہے ہوتے ذرا غور سے سمجھ میں آجائے گا کہ واقعی بات کیا ہے عقائد کا مسئلہ ہے کہ ہر سبب پر جو اثر مترتب ہوتا ہے وہ باذنہ تعالیٰ ہے جلانا آگ کا اثر دائمی اور متفق علیہ ہے مگر جب تک اذن نہ ہو احراق مترتب نہیں ہوسکتا سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لوگوں نے نہایت تیز آگ میں ڈالا مگر باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا کہ ٹھنڈی ہوجا کچھ بھی صدمہ نہ پہونچا اور احراق مترتب نہ ہوا اگر یہ اثر آگ کے لئے

---

(۱) اسباب اخروی کو اپنے مقاصد میں دنیوی اسباب سے زیادہ دخل ہے۔

ذاتی ہوتا یا جزو ماہیت یا لازم ماہیت ہوتا تو کیوں منفک ہوتا کیا آگ آگ نہ رہی۔ اور یہی قصہ اعمال صالحہ میں بھی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کوئی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہ جائے گا مطلب یہ ہے کہ عمل میں تاثیر بالذات نہیں کہ کسی کو جنت میں لے جائے مشیت ایزدی شرط ہے (جس کا مطلب یہ سمجھ رکھا ہے کہ عمل دخول جنت میں کچھ بھی دخل نہیں رکھتا) عمل کو وہی دخل ہے دخول جنت میں جو آگ کو ہے احراق میں آگ کے احراق کے لئے بھی مشیت شرط ہے اور دخول جنت کے لئے بھی۔ بہر حال ایک آیت اور ایک حدیث سے ثابت ہوگیا کہ کسی چیز میں تاثیر بالذات نہیں ہے اگر چہ اثر کیسا ہی یقینی اور دائمی ہو مگر ذات میں کسی چیز کی داخل نہیں کہ اثر کرے سب مشیّت باری تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ حق تعالیٰ کے مرتب کرنے سے مسبب مرتب ہوتا ہے تو اب اس کی تحقیق باقی ہے کہ آیا اسباب دنیوی پر مرتب کرنے کا حق تعالیٰ نے یقینی وعدہ کیا ہے یا اسباب اخرویہ پر اس کے مرتب کرنے کا یقینی وعدہ کیا ہے تو نصوص وواقعات دونوں سے دیکھئے کہ دنیوی اور دینی دونوں اسباب میں سے کس پر ترتب اثر یقینی ہے کس پر وعدہ ہے باری تعالیٰ کا اور تجربہ سے بھی کون یقینی ہے سو کہیں نہیں فرمایا گیا نصوص میں کہ اسباب دنیوی پر اثر ضرور مترتب ہوگا اور تجربہؐ واقعات سے بھی یہی نکلتا ہے بسا اوقات کھیتی کرتے ہیں اور ایک دانہ بھی حاصل نہیں ہوتا یہی حال جاہ وثروت کا ہے. بہت تدبیریں کی جاتی ہیں مگر عمر گزر جاتی ہے اور غربت ہی رہتی ہے اور کبھی بے تدبیر آدمی مالدار ہو جاتا ہے۔ اگر آپ غور کریں گے تو کبھی نہ کہیں گے کہ جاہ وثروت تدبیر پر ہے میں نے خود ایسے واقعے دیکھے ہیں کہ جن کی اوقات کسی وقت میں دو آنہ کی نہ تھی آج وہ لکھ پتی ہو گئے اگر آپ کہیں کہ انھوں نے تدبیر سے اس قدر مال حاصل کیا ہے تو میں کہتا ہوں آپ ان کے پاس جائیے اور اول (۱) سے آخر تک ان کی سوانح عمری لکھئے اور ان کی کل تدبیریں بھی لکھئے کہ پہلے ان کے پاس دو آنے تھے اس کا انہوں نے فلاں سودا خریدا اور صبح سے شام تک پھیری کر کے بیچا اس میں ایک آنہ نفع ہوا ایک آنے میں سے نصف کھایا اور نصف اصل میں شامل کر دیا اگلے دن ڈھائی آنے کا سودا لے کر پھیری کی ساڑھے تین آنے

---

(۱) غیر اختیاری دنیا پر بدیہی دلیل۔

یا چار آنے ہو گئے اسی طرح راس المال بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب تعداد آنوں سے نکل کر روپیوں میں آ گئی تو کچھ پس انداز کرنے لگے جب ایک کافی رقم جمع ہو گئی تو جائداد خرید لی پھر اس کی آمدنی کو بقدر ضرورت خرچ کیا اور کچھ داخل خزانہ کرتے گئے یہاں تک کہ خزانہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہونچ گیا لکھ پتی ہو گئے اس کو مفصل لکھئے بلکہ تمام تغیرات کو تاریخ وار قلم بند کیجئے۔ اب اگر یہ تدبیر سبب ہے ان کے جاہ وثروت کی تو آپ بھی ایسا کیجئے جیسا انہوں نے کیا کہ دو آنے کا سودا لیجئے اور پھیری کیجئے اور نفع کو شامل راس المال کرتے جائیے بعد چندے کچھ پس انداز کیجئے اور جائداد خرید لیجئے پھر خزانہ بڑھائیے یہاں تک لکھ پتی بن جائیے میں کہتا ہوں کبھی بھی تو ان تدبیروں سے آپ ان کے برابر نہیں ہو سکتے کیا وجہ ہے کہ تدبیر سے اس نے حاصل کیا اور تم نہیں کر سکتے وجہ یہی ہے کہ سبب کچھ باری تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے پس ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیا پر ہمیشہ اللہ میاں اثر مترتب نہیں فرماتے۔

میرے دعوے کا ایک جز ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیوی پر نتیجے کا مترتب ہونا ضروری اور دائمی نہیں رہا دوسرا جز یعنی آخرت، (۱) سو دیکھئے فرماتے ہیں مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ یعنی جو کوئی آخرت کا طالب ہو اور کوشش کرے اس کا سعی ضائع نہ جائے گی بلکہ فرماتے ہیں نَزِدْ لَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ یعنی اس کا نتیجہ بقدر عمل ہی نہیں بلکہ زیادہ دیا جائے گا۔ دیکھ لیجئے وعدے کے یقینی ہونے سے نتیجہ مترتب ہونا ضروری اور یقینی ہوا یا نہیں میرا مدعا ثابت ہو گیا کہ اسباب دنیوی پر اثر مترتب ہونے کا کہیں وعدہ نہیں اور اسباب اخروی کے لئے وعدہ ہے۔ پھر تعجب ہے کہ دنیا میں جس چیز کا ارادہ کرتے ہیں وہ اکثر جتنا چاہتے ہیں نہیں ملتی مگر پھر اکتساب ذرائع سے کوئی غفلت نہیں کرتا اور غفلت کرنے والا احمق سمجھا جاتا ہے اور آخرت میں اس قدر ملتا ہے جس کا ارادہ بھی نہیں کیا جاتا اور پھر اکتساب ذرائع سے غفلت ہو اور غفلت کرنے والے کو کوئی احمق نہ کہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِىَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ اور حدیث قدسی میں فرماتے ہیں اَعْدَدْتُ لِعِبَادِىَ الصَّالِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا

(۱) اسباب آخرت پر ترتب اثر ضروری ہے۔

خَطَرَ عَلیٰ قَلْبِ بَشَرٍ میں اپنے نیک (۱) بندوں کے لئے وہ چیز تیار کی ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی کے دل میں اس کا خیال تک گزرا۔ حالانکہ خیال بڑی وسیع چیز ہے مگر بروئے حدیث وہ چیزیں اسباب آخرت پر متفرع ہوتی ہیں جو خیال میں بھی نہ آسکیں۔ اب سوچئے کہاں تک سوچیں گے۔ جمال، باغ، نہریں، خادم، ماکولات ومشروبات وغیرہ جہاں تک بھی آپ کا خیال پہونچے پھر ایک مرتبہ ایسا نکالئے کہ خیال سے بھی باہر ہو اور عقل اس کے ادراک سے قاصر ہو مگر وہاں ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ اگر فضل ہوا آخرت میں ترتب اثر تو کیا اس اثر کا وعدہ ہے کہ سبب سے اور اس سے کچھ نسبت بھی نہیں۔ جمال اور باغ وغیرہ میں بھی ایسے مراتب نکل سکتے ہیں کہ خیال سے باہر ہوں اور بعض نتیجے وہاں کے وہ ہیں کہ ان کا صرف لفظ ہی سنا ہے ماہیت تو عقل میں بھی نہیں آتی وہ رویت الٰہی ہے۔

غرض ترتب اثر یقینی ہوا کیونکہ وعدہ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے کہ اثر ہم ضرور متفرع کریں گے تم ذرائع کو حاصل کرو۔ اور لوگوں کے خیال میں یہ جما ہوا ہے کہ آخرت بے اختیاری ہے اور دنیا اختیاری ہے۔ اسی نے لوگوں کو بٹھا دیا۔ کچھ نہیں کرتے اور دنیا کے معاملات میں یہ حال ہے کہ جب چاہتے ہیں دنیا حاصل کرنا اسباب کو جمع کرتے ہیں حالانکہ بارہا اسباب کے تخلف کو بھی مقاصد سے دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ جن اسباب کو دخل نہیں وہ تو جمع کئے جائیں اور جن کو دخل ہے ان کو نہ اختیار کیا جائے کیسے کہا جائے کہ ایسا شخص جنت کا طالب ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تعجب ہے جنت سے کہ اس کا طالب کیسے سوتا ہے۔

اس سے اور ماسبق سے ثابت ہو گیا کہ جو اسباب کو حاصل نہ کرے اس کے دماغ میں خلل ہے۔ طلب صرف معتبر نہیں بلکہ طلب صادق ضروری ہے اور اس کے لئے کسب ذرائع لازم ہے جیسا کہ بسط کے ساتھ اب تک بیان کیا گیا۔ سو اس آیت میں اللہ میاں نے جنت کے طلب کا ذریعہ بتایا ہے جس کے سب لوگ مشتاق ہیں۔

یہاں ایک بات اور قابل تحقیق ہے وہ یہ کہ اس آیت سے جنت کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے اور اولیاء اللہ میں بعض ایسے گزرے ہیں جن کے کلام میں یہ مضمون پایا

---

(۱) جنت کا بیان۔

جاتا ہے کہ نہ ہم کو جنت کی طلب ہے نہ دوزخ کا خوف ہے۔ تو یا تو جنت مطلوب نہیں یا وہ لوگ مخالف قرآن کے ہیں جیسے ایک صاحب حال کی نقل ہے۔ (یہ قصہ حضرت رابعہ بصریہ (۱) کا ہے) کہ ایک روز غلبۂ جذب میں ایک ہاتھ میں آگ اور ایک ہاتھ میں پانی لے کر نکلیں لوگوں نے عرض کیا حضرت یہ کیا کہا تمام عالم کو جنت اور دوزخ ہی کے خیال نے تباہ کر دیا میرے مالک کا نام کوئی نہیں لیتا آج میں فیصلہ کئے دیتی ہوں پانی سے دوزخ کو ٹھنڈا کروں گی اور آگ بہشت میں لگاؤں گی۔ سو بات یہ ہے کہ یہ اقوال وحکایت اہل حال کے ہیں اور غلبۂ حال سے ان کو معذور سمجھا جاوے گا ہم سے وال کو تو ان لوگوں کے اقوال کو نقل کرتے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی بات جذب میں کوئی کہہ جائے باقی قصداً کہنا یا اس کو کمال سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ خوب یاد رکھئے کہ جذب کوئی کمال نہیں اور نہ وہ اختیاری چیز ہے جو لوگ اختیار سے ایسے لفظ کہتے ہیں حاشا وکلا جو اعلیٰ وادنیٰ کی درجے میں بھی وہ شمار ہوں غلبے کے تو معنیٰ ہی بے اختیاری کے ہیں پھر بے اختیاری کا اختیار سے ہونا کیا معنیٰ۔ آج کل لوگوں نے اسی کو کمال سمجھ رکھا ہے۔ جو کوئی واہی تباہی کلمات بیباکانہ بکتا ہوا اس کو بڑا پہونچا ہوا سمجھے ہیں کہ فلاں بزرگ مست ہیں۔ سو خوب سمجھ لیجئے کہ جن بزرگوں سے ایسے کلمات منقول ہیں ان کے لئے بھی یہ حالت کچھ کمال کی نہ تھی ہاں غلبۂ حال (۲) کی وجہ سے معذور تھے کوئی الزام ان پر عائد نہیں ہوتا اور رہے نقال سو وہ تو کسی طرح معذور ہی نہیں ہو سکتے۔ ان کے اقوال کی دعوے کے ساتھ نقل سخت بیہودگی ہے غرض ان لوگوں کی ایک حالت معذوری کی تھی ورنہ جس چیز کا مطلوب ہونا قرآن سے ثابت ہو اور جس چیز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب فرماویں اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡأَلُكَ الۡجَنَّةَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیۡھَا مِنۡ فِعۡلٍ اَوۡ عَمَلٍ اس کی نسبت دوسرے کا کیا منصب ہے کہ ایسا کہے۔ آیات واحادیث میں صاف طور پر طلب جنت کی فضیلت آئی ہے۔ اہل حال معذور تھے حال کی وجہ سے اور اب لوگوں میں حال ہی نہیں رہا صرف نقل ہی نقل رہ گئی اسی کو فرماتے ہیں مولانا ؎

حرف درویشان بدر زدد مرد دون
تابہ پیش جاہلان خواہد فزون

(۱) قصہ حضرت رابعہ بصریہؒ۔ (۲) حال کچھ کمال نہیں۔

جن میں کچھ ہے نہیں وہ ان کے دعووں کی نقل کر کے جاہلوں میں بزرگ بنتے ہیں۔ مجھ کو ایک شخص اسی سفر میں ملے کہ وہ کچھ مالی اعانت چاہتے تھے ادھر ادھر کی باتوں میں اپنی محویت بھی ظاہر کی لمبی لمبی باتیں کرنے لگے کیا پروا ہے جنت کی اور کیا خیال ہے دوزخ کا میں نے کہا میاں بیٹھے بھی رہو چار روپیہ کے لئے تو گھر چھوڑے پھرتے ہو جنت کی طرف التفات بھی نہ کروگے۔ ان نقالوں میں رنگ البتہ اصل سے بھی زیادہ ہوتا ہے سو ہر چیز میں تجربہ کر لیجئے کہ اصلی میں نقلی کی سی آب و تاب نہیں ہوتی رنگ و روغن کو دیکھ کر شیفتہ ہو جانا اس امر کی دلیل ہے کہ اس شخص نے اصل چیز نہیں دیکھی اور محض ناواقف ہے۔ غرض اہل حال تو بحث سے مستثنٰی ہی ہیں اور جنت کا مطلوب (۱) ہونا بحالہ باقی رہا البتہ یہ ضرور ہے کہ مشہور تقسیم میں اس کے مطلوب ہونے کی دو صورتیں ہیں اور میرے نزدیک ایک تیسری صورت اور بھی ہے۔ ایک تو یہ کہ اس کی نعمتوں کو مقصود سمجھ کر کھانے کو پینے کو باغوں کو مکانات کو نہروں وغیرہ کو غرض اصلی جان کر طلب کیا جائے۔ مذاق مختلف ہوا کرتے ہیں کسی کو مکانات کا شوق ہے کسی کو دل کش فضاؤں کا کسی کو بچوں کا کسی کو حسن و جمال کا، کسی کو خدام کا کسی کو ماکولات و مشروبات کا اور جنت میں سب کچھ ہے تو جو چیز جس کو مرغوب ہو ملے گی۔ حدیث شریف میں ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک شخص تمنا کرے گا کہ میں تو کھیتی تھا اللہ میاں فرمائیں گے ابن آدم کا پیٹ ہی نہیں بھرتا اور دم کے دم میں سب چیز موجود ہو جائے گی بات کہنے میں ہرا بھرا کھیت پھر انبار کے انبار غلہ تیار ہے تو کتنی کھیتی چاہئے یہ ایسا ہے جیسا کہ بچہ طرح طرح کی ضدیں کیا کرتا ہے اور سب پوری کی جاتی ہیں والدین جانتے ہیں کہ باؤلی ضدیں ہیں مگر جو مانگتا ہے دیتے ہیں۔

تو بعض لوگ تو جنت کو اس لئے طلب کرتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو جنت کو اللہ میاں کی لقاء کے لئے طلب کرتے ہیں۔ یہ لوگ طالب درحقیقت اللہ میاں کے ہیں مگر ان کو معلوم ہوا ہے کہ رؤیت اور رضا خاص جنت میں ہوگی اس لئے چاہتے ہیں کہ جنت میں پہونچ جائیں تا کہ مقصود اصلی حاصل ہو غرض نعمت کے طالب نہیں بلکہ منعم کے ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ ایک محبوب نے باغ میں لوگوں کو بلایا جس میں

---

(۱) طلب جنت کے تین طریقے۔

ہر قسم کا عیش ونشاط موجود ہے جو میوے کہیں نہیں ہیں وہ وہاں موجود۔ وہ مکانات جن کا نقشہ تک کسی کے خیال میں نہ گزرا ہو وہاں تیار نہریں حوض دل کش فضائیں خادم غلام۔ غرض جملہ چیزیں موجود ہیں۔ بعض جانے والے ایسے ہوں گے جو غسل کرنے اور حوضوں میں غوطہ لگانے کی غرض سے جائیں گے اور بعض تازہ بتازہ ہواؤں کا لطف اٹھانے کے لئے اور بعض میوؤں سے لذت حاصل کرنے کے لئے وعلیٰ ہذا اور ایک جانے والے وہ ہیں کہ اس محبوب پر عاشق ہیں اور باغ میں اس واسطے جاتے ہیں کہ ان کو معلوم ہوا ہے کہ ہمارا محبوب باغ میں ہے یہ سن لیا ہے اور باغ کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں یہ لوگ دراصل باغ کو نہیں ڈھونڈھتے باغ والے کے شیدائی ہیں اس وقت چونکہ محبوب باغ میں ہے اس واسطے باغ کی طرف جاتے ہیں اور وہ اگر جنگل میں آجائے تو باغ کا خیال بھی ان کے ذہن میں کبھی نہ گزرے۔

باغ کی طرف جانے والے یہ دو قسم کے لوگ ہوئے ایک وہ کہ نفس باغ کے طالب ہیں دوسرے وہ کہ نہ انہیں باغ کا خیال ہے نہ جنگل کا محبوب کی طرف نگاہ ہے۔ مشہور (۱) قسمیں طالبان جنت کی تو یہی دو ہیں اور میرے نزدیک تیسری قسم اور ہے لیکن ذرا دقیق ہے وہ یہ کہ طالب تو نعمت کے ہیں لیکن نہ حظ کی وجہ سے بلکہ اپنے تذلل اور عبدیت کی وجہ سے اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتے کہ بلا واسطہ طالب منعم کے ہوں وہ اسی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ اس کے کوچے کا ایک گوشہ مل جاوے یہ تیسری قسم ہوئی پس طالب نعمت کا مبتدی ہے اور طالب منعم کا متوسط ہے اور طالب نعمت للعبدیت کا واقع میں طالب کامل منعم کا ہے منتہی اور صاحب حال بحث سے خارج ہے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کا خیال مطلقاً یہ ہے کہ طلب (۲) جنت سے عدم طلب کا درجہ بڑھ کر ہے حالانکہ غور کرنے سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے کہیں آیات ونصوص میں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ عدم طلب کوئی شئے حسن ہے۔ بہت سے بہت یہ کہہ سکتے ہیں کہ عدم طلب والا معذور ہے سو معذوری میں فضیلت کہاں۔

حاصل یہ کہ طالب جنت کی تین قسمیں ہوگئیں کہ یا مبتدی (۳) ہے یا متوسط یا

(۱) یہ پانچ سطریں بعینہ مولانا مدظلہ کے لکھے ہوئے کی نقل ہیں جو مسودہ میں بروقت اصلاح تحریر فرمائیں۔۱۲ (۲) عدم طلب جنت امر حسن نہیں۔ (۳) مبتدی ومنتہی ومتوسط۔ شناخت مبتدی ومنتہی۔

منتہی سو متوسط کا حال تو اکثر ممتاز ہوتا ہے لیکن مبتدی اور منتہی کا حال بہت متشابہ ہوتا ہے مگر واقع میں زمین آسمان کا فرق ہے مبتدی ایک کام میں لگا ہوا ہے گو حقیقت انہیں پہچانتا مگر آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے کبھی حقیقت شناس بھی ہو جائے گا۔ ذرا سی بات میں وجد میں آجانا دھاڑیں مارنا مغلوبوں کا کام ہے جو صاحب کمال ہے اس کو حال نہ آنسو ٹپکا سکتا ہے نہ حال اس کے بدن میں حرکت پیدا کر سکتا ہے نہ حال اس کی زبان سے بے ساختہ کلمات نکلوا سکتا ہے شاہ عبدالحق رودولوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد ایں جا مرداننداں کہ دریا ہا فرد برند و آروغ نزنند۔ منتہی (۳) کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے مگر چونکہ منتہی راستہ طے کئے ہوئے ہوتا ہے اس واسطے ہر مقام پر اس کے افعال سے واقفیت ٹپکا کرتی ہے اور مبتدی مقلدانہ چلتا ہے۔ اسی طرح جنت کے مانگنے والوں میں جو مبتدی یا منتہی ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ مبتدی طالب ہے مزے کے لئے اور منتہی مزے سے گزرا ہوا ہے پھر جنت کی طلب جو کرتا ہے سو وہ محبوب کے حکم سے ہے گویا منتہی عبدیت ظاہر کرتا ہے کہ جو حکم ہو اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں اور مبتدی کی فنا میں ابھی کمی ہے اس کا التفات مزے کی طرف ہنوز باقی ہے فرض کیجئے کہ ایسی چیز کی طلب کا حکم ہوتا کہ مزہ اس میں نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ اس صورت میں مبتدی کے پیر اکھڑ جاتے اور منتہی جما ہوا ہے اس کی لغزش کی کوئی وجہ نہیں وہ مزے کا طالب ہی نہیں جس کے رہنے نہ رہنے پر اس کی طلب کا دارو مدار ہو چونکہ طلب کا حکم پایا ہے اس واسطے تعمیل کر رہا ہے۔ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ امر کا صیغہ ہے۔ یہ شخص زبان حال سے کہہ رہا ہے ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک برفرقِ قناعت بعد ازیں

جب اُدھر سے ہی طلب کا حکم ہے تو طلب نہ کرنا عدول حکمی ہے۔ مطیع اطاعت میں ایسا محو ہوتا ہے جیسے کسی کو شراب پلا دیں (شراب دو ہیں حلال اور حرام شراب محبت حلال ہے یہ شراب پی کر آدمی سب طرف سے بے خبر ہو جاتا ہے اسی طرح جو بندہ ہے وہ امتثال امر (۲) میں مخمور ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ محویت بے خودی نہیں ہے بعض

(۱) اس وقت مجلس پر ایک غیر کیفیت عجیبہ طاری تھی۔ (۲) طلب امتثال امر ہے۔

ناواقف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نماز میں محویت ہو جائے تو رکوع وسجود کیسے ہوں۔ محویت (۱) کے معنیٰ یکسوئی کے ہیں صرف باری تعالیٰ کی طرف خیال ہوتا ہے اس صورت میں عبادت بطریق احسن ہوگی رکوع وسجود نہ ہونا کیا معنیٰ۔

عام لوگ محویت اس کو سمجھتے ہیں کہ کچھ واہی تباہی کلمات زبان سے نکال دیں یا آئندہ کی باتوں پر دعوے کے ساتھ حکم لگا دیا کریں اس کو بڑا کمال سمجھتے ہیں اور کہا کرتے ہیں اللہ میاں پر ایسا ناز ہے کہ جو منہ سے نکل گیا پورا ہو کر رہتا ہے۔ یہ مسلّم سہی کہ دعا قبول ہوتی ہے مگر ہر چیز کو مانگ بیٹھنا اور دعوے سے حکم لگا دینا انھیں سے ہو سکتا ہے جو بے خود ہیں یہ محویت محمود نہیں محویت محمود میں حق سبحانہ تعالیٰ سے نہایت قرب ہوتا ہے اور جتنا جس کو قرب ہوتا ہے اتنا ہی عظمت کا اس پر ظہور ہوتا ہے اور اتنا ہی نفس کا تذلل کھل جاتا ہے پھر جس پر محبوب کے اعلیٰ درجے کی عظمت اور اپنی ذلت کھل گئی ہو اس کی نسبت کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ جہاں چاہے بے دھڑک قدم اٹھا بیٹھے گا۔ بادشاہ کے دو بچے ہیں ایک ناسمجھ اور ایک سمجھ دار ناسمجھ تو جب آتا ہے سیدھا گود میں جگہ لیتا ہے نہ آداب مجلس کی کچھ خبر نہ اراکین کا لحاظ نہ بادشاہ کا ادب نہ شاہی پوشاک (۲) کا خیال پیر صاف ہیں یا خاک آلودہ آئے اور زانو پر چڑھ بیٹھے۔

اور ہوشیار بچہ جب آتا ہے تو نیچی نگاہ کئے ہوئے چہرے پر اراکین کا لحاظ ظاہر مجلس کا رعب چھایا ہوا اور نہایت ادب سے پاؤں پکڑ کر حاضری کی اجازت مانگ کر مؤدّب کھڑا ہوتا ہے وجہ یہی ہے کہ سمجھدار کو عظمت شاہی کی خبر ہے اور ناسمجھ کو نہیں اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ ناسمجھ بچہ بادشاہ کے نزدیک زیادہ مرتبہ رکھتا ہے کہ اس قدر قرب اس کو حاصل ہے کہ شاہی پوشاک پر میلے پیروں سے جا چڑھتا ہے اور جو الٹی سیدھی ضدیں کرتا ہے پوری کی جاتی ہیں۔ نہیں قرب صوری اس کو حاصل ہے اور قرب حقیقی سمجھدرار کو اگرچہ سمجھدار گود میں نہیں ہے اور اسی قدر فصل سے کھڑا ہے۔ میلے پیروں سے کپڑوں پر جا چڑھنا اور الٹی سیدھی ضدیں کرنا گستاخی ہے باعث فضیلت نہیں زائد سے زائد یہ کہ بچہ ان حرکات میں معذور سمجھا جاتا ہے۔

اسی طرح اہل حال کہہ اٹھتے ہیں کہ نہ دوزخ نہ بہشت نہ اس کا خوف ہے نہ اس

---

(۱) محویت بے خودی نہیں۔ (۲) اس کی مثال کہ طلب جنت ادب ہے۔

کی خواہش ان دونوں میں سے کسی کی خبر ہی نہیں۔ یہ کامل نہیں ہیں ان پر ابھی عظمت کا انکشاف پورا نہیں ہوا اس وجہ سے اتنی جرأت ہے کہ قرب کے اعلیٰ درجے کا دعویٰ ہے۔ دیکھئے ایک نہایت ذلیل شخص کسی عالی شان محبوب کی طرف جانا چاہتا ہو تو اول تو برسیں چاہئیں اس کوشش کے لئے کہ کسی طرح راستے کے موانع رفع ہوں دربان و چوبدار وغیرہ سے ساز ہو جائے تب توقع کی جائے کہ ان کی درخواست محبوب تک پہونچ سکے گی اگر اس میں کوشش ان کی چل گئی کہ یہ درخواست محبوب تک پہونچ گئی اور پھر قسمت کی یاری سے محبوب نے بہت ہی لطف فرمایا کہ حاضری کی اجازت دے دی تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ دربار میں جاتے وقت ان کی بڑی سی بڑی آرزو کیا ہوگی۔ یہ تو کبھی خیال بھی نہ جائے گا کہ مجھے محبوب بنالیں بڑا حوصلہ یہ ہوگا کہ چوکھٹ کو بوسے دینے کی اجازت مل جائے۔ اس کا یہ حوصلہ کرنا کیا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چوکھت کا طالب ہے۔ نہیں یہ شخص چوکھٹ کا طالب نہیں بلکہ اپنی حالت کو دیکھ کر اس سے زیادہ کی ہمت نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر اس کو چوکھٹ سے آگے بڑھانا چاہیں تو پیروں میں رعشہ پڑ جائے گا۔ سو منتہی اَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ کہے گا نہ اس واسطے کہ جنت کا طالب ہے بلکہ طالب محبوب حقیقی ہی کا ہے مگر اس سے بڑھ کر حوصلہ اپنی ذلت اور ان کی عظمت کو دیکھ کر نہیں کر سکتا۔

معلوم ہو گیا ہو گا کہ طالب تین قسم کے ہیں۔ مبتدی یعنی طالب جنت حظ کے لئے اور منتہی یعنی طالب جنت عظمت محبوب کی وجہ سے۔ اور متوسط الحال مبتدی اور منتہی میں فرق مشکل ہے اور متوسط الحال کا حال ممتاز اور ظاہر ہوتا ہے حال سے مغلوب ہوتا ہے گو ایسا مغلوب نہ ہو کہ حد شرع کی حفاظت نہ کر سکے کیونکہ ایسا شخص تو جیسا اوپر عرض کیا گیا مبحث سے خارج ہے لیکن مغلوب ہونے سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ذرا بات پر رونے لگتا ہے ذرا بات پر وجد آجاتا ہے زبان سے بے اختیارانہ کلمات نکلنے لگتے ہیں اس کو عوام کمال سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کمال نہیں ہے کمال یہ ہے کہ حال پر غالب آجائے اور حال کوئی تغیر اس میں نہ پیدا کر سکے ایسے شخص کے پہچاننے کے لئے بڑی بصیرت چاہئے اس کی حالت بالکل مبتدی کی سی ہوتی ہے عام لوگ دونوں میں فرق نہیں کر سکتے منتہی کا پہچاننا کچھ آسان کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ متوسط اولیاءؒ کو تو لوگوں نے پہچان لیا اور اولیائے کاملین اور انبیائے علیہم السلام کو نہ پہچان سکے قَالُوْآ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ

مَثَلُنَا متوسط اولیاء میں تو جوش وخروش دیکھتے ہیں اور اولیائے (۱) کاملین اور انبیاء علیہم السلام کی حالت بالکل معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ عالم زیں سبب گمراہ شد
کم کسے از سرّ حق آگاہ شد

گفتہ اینک ما بشر ایشان بشر
او ایشان بستۂ خوابیم وخور

ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ
درمیاں فرقے بود بے منتہا

این خورد گردد پلیدے زو جدا
وان خورد گردد ہمہ نورِ خدا

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر وشیر

مگر ان کو اس کی ضرورت نہیں کہ پہچانے جائیں۔ صاحب کمال کو ایک عجیب استغنا ہوتا ہے دنیا کا ذرا سا کمال کسی کو حاصل ہوتا ہے تو کسی کی طرف التفات نہیں کرتا یہ لوگ تو وہ کمال رکھتے ہیں کہ اس کی ماہیت بھی کسی کو معلوم نہیں۔ قصداً اظہار تو کہاں ان کو تو غیرت آتی ہے کہ کسی پر اظہار ہو۔ کیمیا گر بھی اپنے آپ کو ظاہر کرنا نہیں چاہتے ٹھگ البتہ کمالات دکھاتے پھرا کرتے ہیں پھر دیکھ لیجئے کہ یہ کمالات شعبدے ہی ہوتے ہیں جس کے اندر کچھ ہے وہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا اور جو دکھاتا پھرتا ہے اس میں کچھ نہیں۔ ان لوگوں کو تو کبھی اپنے آپ سے بھی غیرت آجاتی ہے۔ قلندر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

میری آنکھ آپ کی طرف دیکھے۔ میرا کان آپ کی بات سنے۔ یہ لوگ امتثال امر میں لگے ہوتے ہیں کوئی ان کو پہچانے یا نہ پہچانے کچھ پروا نہیں۔ نیکی کر اور دریا میں

(۱) اولیاء کو پہچان لیا اور انبیاء علیہم السلام کو نہیں۔

ڈال۔ اپنی طرف سے کبھی اظہار کا قصد نہیں کرتے ہاں اللہ میاں کبھی ظاہر کر دیتے ہیں اس وقت یاد رکھنے کی بات ہے کہ اخفا بے ادبی ہے کیونکہ اطاعت تعمیل اور رضا ہے جس طرح رکھیں بندے کو اسی طرح رہنا چاہئے جب کہیں خاموش رہو خاموش ہو جائے اور جب کہیں کھل جا تو بلا تامل کھل جائے یہ کھل جانا بھی طاعت ہے اس وقت اخفاء اتباع نفس ہے اس وقت اس کو اظہار میں وہی لذت ہوگی جو پہلے اخفا میں تھی۔ غرض صاحب کمال اپنے قصد کو کبھی دخل نہیں دیتا نہ اخفا میں نہ اظہار میں بس فنا ہوتا ہے تعمیل حکم میں۔ اور جو کوئی بالقصد اپنے آپ کو ظاہر کرتا پھرتا ہے وہ اب تک فنا ہی نہیں ہوا۔ جب صاحب کمال سرتا پا محو ہوا امتثال امر میں تو اس کو اس طرف توجہ نہیں ہوتی کہ میں ظاہر ہوں یا نہ ہوں بلکہ معمولی سی حالت ہوتی ہے اگر طلب کا حکم نہ ہوتا تو طلب بھی نہ کرتا مگر حکم ہے اس لئے بغرض اس کی تعمیل کے طلب کرتا ہے۔ مبتدی بھی طلب کرتا ہے منتہی بھی طلب میں دونوں شریک ہیں اور کسی بات سے حالت ظاہر نہیں ہوتی پھر فرق کیا جائے تو کس طرح مولانا فرماتے ہیں

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

متبدی اور منتہی میں فرق بڑا مشکل ہے۔

بالجملہ طالبوں کی تین قسمیں ہوئیں اور جنت مطلوب بہر حال ٹھہری اور طلب مامور بہ اور فرض ہے اب وہ مقدمہ بھی یاد ہوگا کہ ذریعہ کا اکتساب ضروری ہوا جنت جب ہر شخص کی مطلوب ہے تو اس کے ذرائع کی طلب بھی ہر ایک کے ذمے ہے ورنہ وہی بوالہوس ہوگی سو اس ذریعہ اور طریق کو فرماتے ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى سبحان اللہ! کلام الملوک ملوک الکلام جنت اتنی بڑی چیز اس کی طلب کا خلاصہ فرما دیا تا کہ طالبوں کو آسانی ہو۔ اتنے بڑے مطلوب کے لئے جس قدر ذرائع اور طرق طلب ہوتے کم تھے مگر حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایک ایسی بات بتادی جیسے گر ہوتا ہے گر اس لئے ہوا کرتا ہے کہ کثیر التعداد افراد کو جن کو بالاستقلال ایک ایک کو یاد رکھنا دشوار ہو اس کے ذریعہ سے یاد رکھیں جیسے کوئی خادم کو محفل کے دروازے پر بٹھا دے اس غرض سے کہ غیر آدمیوں کو اندر نہ

آنے دے تو اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ زید عمر و بکر خالد وغیرہ ایک سو نام اس کو بتا دیئے جائیں کہ ان میں سے جو کوئی آئے منع کرنا اس میں کسی قدر دقت تو خادم کو پیش آئے گی کہ ایک فہرست بنائے گا جس میں یہ سب نام درج ہوں اور ہر آنے والے سے نام پوچھ کر اوپر سے نیچے تک ساری فہرست میں تلاش کرے گا کہ یہ نام اسماء مندرجۂ فہرست میں سے ہے یا نہیں ہر بار ساری فہرست دیکھنی پڑے گی نیز کسی قدر دقت آنے والوں کو ہوگی کہ ہر شخص کو اتنی دیر ٹھہرنا پڑے گا کہ جب تک وہ تمام فہرست کو دیکھے۔ سہولت اس میں ہے کہ مختصر سی بات بتا دی جاوے کہ جس کو تو نہ پہچانتا ہو اس کو نہ آنے دینا اس سے نہ فہرست کی ضرورت رہے گی نہ کچھ اور دقت پیش آئے گی اسی کو گر کہتے ہیں۔ جنت کے حصول کے لئے بہت سے طرق ہیں جن کا فرداً فرداً یاد رکھنا نہایت دشوار تھا اس لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایک ایسا امر بتا دیا کہ جب اسی کی رعایت رکھی جاوے تو جو فعل بھی کیا جاوے گا وہ وہی ہوگا کہ اس کو کچھ نہ کچھ دخل ہے حصول جنت میں۔ اللہ میاں کے کلام کے قدر اسی کو ہوتی ہے جو طالب ہے جب کسی کے جنت پیش نظر ہو تو انتہا درجے کا شوق پیدا ہوگا اور جب بتایا جاوے کہ اس کے طلب کے فلاں فلاں طریق ہیں (اور چونکہ جنت میں بڑی چیز ہے اس کے طرق بھی کثیر ہی ہوں گے) ان کی کثرت کو دیکھ کر یہ شخص گھبرا اٹھے گا مگر چونکہ شوق انتہا درجے کا پیدا ہو چکا ہے اسلئے یہ تو ہوگا نہیں کہ چھوڑ بیٹھے بلکہ ایک حالت سخت اضطراب کی پیدا ہوگی اس شخص کے سامنے اگر کوئی قاعدہ کلیہ پڑھ دیا جائے جو جامع ہو تمام طرق کو تو ہر کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ اس کی کیا حالت ہوگی وجد کی سی کیفیت ہو جائے گی اس کو قدر ہوگی کہ کلام باری تعالیٰ کیا چیز ہے اس گر کو فرماتے ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى اس میں دو کام فرمائے ہیں جو تمام طرق کو جامع ہیں ایک اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف دوسرا وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى الف لام عوض مضاف الیہ کے ہے عَنْ هَوَاهَا نفس کو اس کی خواہشوں (۱) سے روکنا یہ دونوں عمل جملہ طرق حصول جنت (۲) کو جامع ہیں۔ ہر چند کے یہ دونوں عمل افراد بہت سے رکھتے ہیں اور تفصیل کرتے وقت افراد میں کچھ کمی نہ ہوگی مگر اس اختصار کی منفعت یہ

(۱) نفس کی خواہش سے نہ ہو۔ (۲) جنت کی طلب کا گر۔

ہے کہ جب یہ دونوں مضمون ذہن نشین ہو جائیں تو ہر فرد عمل میں اس کی رعایت رکھنے سے نیک و بد تمیز سہولت سے ہو جائے گی گر میں یہی ہوا کرتا ہے کہ افراد کم نہیں ہوجاتے صرف طریق شناخت میں اختصار و سہولت ہو جاتی ہے۔ دیکھئے کتنی سہولت ہوگئی جب آدمی کے دل میں خوف ہوگا کہ مجھے ہر ہر عمل پر حق سبحانہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہوگا تو ہر کام کو تامل کے ساتھ کرے گا اور خیال رکھے گا کہ یہ کام کہیں خلاف مرضی باری تعالیٰ نہ ہو اس سے ایک بصیرت پیدا ہو جائے گی کہ ہر برے عمل کو پہچان لے گا اور اس سے بچ جائے گا اور جو سمجھ میں نہ آوے گا اس خوف کی وجہ سے اس کو علماء سے پوچھے گا اس طرح سے کوئی فرد معصیت اس کی نظر سے نہ چھوٹ سکے گا ورنہ جنت جیسی بڑی چیز کے لئے کثرت سے ذرائع ہونے چاہئیں ظاہر ہے ان کا ابتداء ذہن میں منضبط کرنا امکان سے بھی باہر معلوم ہوتا ہے۔

آپ نے جان لیا کہ طرق طلب جنت کا حاصل دو امر ہیں اب یا تو ایک ان دونوں میں سے اصل ہے اور دوسرا معین یا دونوں اصل ہیں مجھے یوں معلوم ہوتا ہے اپنے مذاق سے کہ اصل نہی النفس ہے اور خوف اس کے لئے معین ہے میں یہ اپنے دل سے نہیں کہتا ہوں بلکہ اس حدیث سے کہ نَسْأَلُكَ مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيكَ دعا مانگتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ اے اللہ! ہم مانگتے ہیں خوف میں اس قدر کہ حائل ہو جاویں آپ اس سے ہم میں اور معصیت میں تعلیل سے یہ بات نکلتی ہے کہ خشیت معصیت سے بچنے کے لئے مطلوب ہے بالذات مقصود نہیں۔ ورنہ نَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ مطلقاً فرماتے کسی چیز کی حد مقرر کرنے سے صاف یہی بات مفہوم ہوا کرتی ہے کہ اس سے زیادہ مطلوب نہیں۔ خوف کی حد فرمادی کہ اس قدر چاہئے کہ معصیت سے مانع ہو معلوم ہوا کہ اگر خوف اس سے زیادہ ہو جائے تو محمود نہیں۔ خوف مع الرجاء یہی ہے اور اگر خوف ہی خوف ہو کہ رجا نہ رہے اور ناامیدی تک نوبت پہونچ جائے تو یہ کفر ہے اس سے معصیت چھوٹتی نہیں بلکہ آدمی یہ سمجھ کر کہ طاعت سے کیا ہوگا زیادہ معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ میں نے خود دیکھا ایک مغلوب کو تب معلوم ہوا کہ شریعت میں جو توسط ہے اس میں یہ مصلحت ہے یہ ایک وکیل صاحب تھے نماز روزہ کے خوب پابند تھے خوف غالب ہوا تو عجیب حالت ہوئی پریشان

ہو گئے۔ ایسی حالت تھی کہ زبان سے بات ٹھیک نہیں ادا ہوتی تھی قریب تھا کہ نماز بھی چھوڑ دیں۔ اور یہ سب کچھ ہوا تھا ایک کتاب کو دیکھ کر۔

کتابوں کو بطور خود دیکھنے میں یہ خرابی ہے۔ لوگ کہتے ہیں استادوں کے نخرے کون اٹھائے عبارت اردو ہوتی ہی ہے اس کے سمجھنے میں کیا دقت ہے کیونکہ اردو ہماری زبان مادری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو ہر شخص جس فن کا چاہے بلا استاد پورا عالم بن سکتا ہے کتابیں ہر فن کی موجود ہیں حالانکہ مشاہدہ اور تجربہ اس کے خلاف ہے۔ جائے استاد خالی ست۔ وجہ یہ ہے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ کتاب میں ایک جگہ نہیں لکھی جاسکتیں ہر بات علیحدہ علیحدہ لکھی جاتی ہے ابواب وفصول اسی لئے مقرر کئے جاتے ہیں اور اگر ایک جگہ متفرق باتیں لکھ دی جائیں تو کتاب کی ترتیب میں فرق آجائے اور ڈھونڈھنے والوں کو بڑی دقت پیش آئے کہ خاص مضمون کہاں تلاش کریں مثلاً نماز روزہ، زکوٰۃ کے مسائل کتب فقہ میں بلا تفصیل ابواب کیفما اتفق جمع کردیئے جائیں تو کس قدر دقت ہوجائے کہ ایک ذرا سے مسئلہ کے لئے ساری کتاب پر نظر ثانی ڈالنی پڑے۔ جملہ علوم وفنون میں یہی حالت ہے کہ کتاب میں متفرق مضامین ایک جگہ نہیں لکھے جاسکتے تو بطور خود کتاب دیکھنے والے کو اگر کوئی شبہ واقع ہو تو اگرچہ حل اس کا کتاب میں کہیں مذکور ہو مگر چونکہ اس کو اطلاع نہیں ہے کہ وہ حل کہاں مذکور ہے اس لئے دل میں وہ اشکال جم جاتا ہے اور بسا اوقات یہ خیال ہوجاتا ہے کہ کتاب میں غلط لکھا ہے مصنف خود نہیں سمجھا حالانکہ کتاب میں غلطی نہیں سمجھ کا قصور ہے جو شبہ ذہن میں آیا ہے وہ کسی دوسری بحث کے مناسب ہے، کتاب میں اس باب میں اس کا حل ہوگا اور پڑھانے والا تمام کتاب پر حاوی ہوتا ہے متعلم کے شبہ کرنے سے یا از خود تنبیہاً ہر موقع پر اس کے ضروریات کو بتایا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں سبقاً سبقاً پڑھنا چاہئے۔ اور فنون کی کتابوں سے زیادہ تصوف میں خاص کر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بلا استاد کبھی مطالعہ نہ کرے۔ دیگر فنون میں تو یہ ہے کہ بہت سے بہت بطور خود دیکھنے سے وہ فن نہ آئے گا اور تصوف میں خطرہ ہے کہ آدمی ہلاکت میں پڑ جائے اور ایمان جاتا رہے۔

گر روی صد سال در راہِ طلب
راہبر نبود چہ حاصل زاں تعب

گر ہوائے این سفر داری دلا
دامنِ راہبر بگیر وپس بر آ

در ارادت باش صادق اے فرید
تابیابی گنج عرفان را کلید

بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق
عمر بگذشت ونہ شد آگاہِ عشق

ان وکیل صاحب نے احیاء العلوم کی کتاب الخوف کو دیکھا تھا اور ایک مقام کو ناتمام سمجھے اس سے ایسا خوف دل میں بیٹھا کہ یہ بات نہ کر سکتے تھے اور نیند اڑ گئی مگر یہ خیریت تھی کہ آپ ہی آپ کوئی رائے قائم نہیں کی جیسا کہ آج کل عادت ہے کہ بزرگوں کے اقوال کتابوں میں دیکھ کر کسی واقف کار سے ان کے سمجھنے کی کوشش تو کرتے نہیں اپنی طبیعت سے جو چاہتے ہیں حکم لگا دیتے ہیں حتیٰ کہ ان بزرگوں سے بدعقیدہ ہو جاتے ہیں اور واہی تباہی کلمات بکنے لگتے ہیں یا اس کے موافق غلط عقیدہ رکھ کر خراب ہوتے ہیں۔ میرے پاس آئے کہ کچھ امید نہیں کچھ ہی کرے کہ جنت ملے گی تمام عمر کوشش کرے اور دنیا کو تلخ کر دے مگر کتاب کا لکھا ہوا اگر سچ (۱) ہے تو خاتمہ ذرا میں بگڑ سکتا ہے۔ جس وقت میرے پاس کتاب لے کر آئے تو یہ حالت تھی کہ ہاتھ کانپتے تھے زبان لڑکھڑاتی تھی کتاب کی عبارت نہ پڑھی جاتی تھی جیسے کسی کو پھانسی کا حکم سنا دیا جائے۔ اس وقت یہ بات سمجھ میں آئی کہ حد سے زائد غلبۂ خوف اچھی چیز نہیں۔ میں نے اور مقام اسی کتاب کے دکھلائے بحمد اللہ ان کے سب شبہے حل ہو گئے اور قلب کو سکون ہوا کہنے لگے آپ نے مجھے بچا لیا جانے کیا ہوتا میری جان نہ رہتی یا ایمان جاتا۔ لکھا کتاب ہی میں سب کچھ ہے مگر دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ لکھنے والوں نے حتی الامکان سہولت اس قدر کر دی ہے کہ اکثر جگہ شبہات بھی حل کر دئے ہیں لیکن پھر بھی استاد کی ضرورت باقی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کسی حقیقت کا زیادہ انکشاف بھی مضر ہو جاتا ہے جیسا ان وکیل صاحب پر استغنا حق زیادہ متجلی ہوا اور یہ حالت ہو گئی اسی واسطے بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ جیسے تجلی رحمت ہے

(۱) دیکھئے مجموع خاتمہ بالخیر۔

استتار (۱) بھی رحمت ہے واللہ اگر تجلی تمام ہو جائے تو فنائے عالم ہو جائے یا جان جاتی رہے یا ایمان جاتا رہے میں نے خود دیکھا وکیل صاحب کو کہ قریب تھا کہ نماز تک چھوڑ دیں۔ وجہ کیا تھی صرف غلبۂ خوف اس واسطے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُولُ بِهٖ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ مَعَاصِيكَ صرف اتنا خوف چاہتے ہیں کہ معصیت کو مانع ہو اتنا نہیں چاہتے کہ ہم متحمل نہ ہوں۔ معلوم ہوا کہ خوف محمود وہی ہے جو معصیت سے روکے اور جو خوف کہ خود الٹا باعث معصیت ہو جائے وہ معصیت کی طرح برا ہے اسی واسطے لکھا ہے کہ بڑھاپے میں امید غالب رکھے اور جوانی میں خوف بوڑھے آدمی سے ویسے ہی کچھ نہیں ہو سکتا اگر اور خوف غالب ہو جائے گا تو رہے سہے بھی ہاتھ پیر پھول جائیں گے اور امید میں کچھ نہ کچھ کئے ہی جائے گا اور جوانی میں قوت ہوتی ہے خوف کا تحمل ہو سکتا ہے جتنا خوف زیادہ ہو گا نفس کو تنبیہ ہو گی معصیت سے اجتناب ہو گا اور اعمال حسنہ کی کوشش کرے گا۔ ہر وقت کے واسطے تدبیر جدا گانہ ہے۔ باطنی طب بھی ظاہری طب کی طرح ہے کبھی دوا سرد دیتے ہیں کبھی گرم کبھی تنقیہ کرنا پڑتا ہے کبھی تقویت اسی طرح باطنی امراض کی تدبیریں بھی مختلف ہیں۔

معلوم ہو گیا کہ خوف معین ہے اور ترک خواہشات اصل اب صاف ہے کہ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ ذریعہ ہے اور مقصود نَهَى النَّفْس ہے ذریعہ اسی حد تک محمود ہوتا ہے کہ مقصود تک پہونچائے اور اگر ذریعہ کو اس حد تک پہونچا دیا جائے کہ مقصود فوت ہونے لگے تو یہ مذموم ہے کیونکہ ذریعہ ذریعہ نہ رہا خوف اسی قدر چاہئے کہ نفس کو تنبیہ ہو۔

پس خلاصہ طریق کا ترک ہوا ہے اور خوف اس کا معین اور یہی حاصل اس گر کا۔

اب دیکھو کہ نوکر کو یہ بتا دینا کہ ناشناسا کو اندر نہ آنے دینا کہنے میں ذرا سا ہے کرنے میں بہت ہے جو کام کہ فہرست بنانے سے نکلتا ہے وہی اس سے نکلتا ہے بلکہ فہرست میں تو افراد محدود ہو جاتے اگر ان کے سوا کوئی ناشناسا آنے والا ہوتا تو اس کو منع نہ کر سکتا اور اس لفظ کے بعد ایک کے منع سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا اور کسی تعداد تک ناشناساؤں کی حد نہ رہی اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ نے گر بتا دیا کہ اگر سوچے تو ولی ہو جائے ایک فرد بھی نافرمانی کا اس سے خارج نہیں دیکھئے نافرمانی ہوتی کیوں ہے مثلاً نماز نہ پڑھی یا تاخیر کر کے

(۱) استتار بھی رحمت ہے۔

پڑھی یا بے توجہی ہوئی حضور قلب کے ساتھ ادا نہ ہوئی اگر غور کیا جائے تو سبب اس کا ضرور ایسا نکلے گا کہ من جملہ افراد خواہش نفسانی کے ہوگا فرض کیجئے کہ نماز نہ پڑھنے کا سبب یہ ہوا کہ نیند آ رہی تھی عشا کا وقت ہوا مگر آرام میں خلل گوارا نہ ہوا سو کر صبح کر دی آرام اور تن پروری خواہش نفسانی ہی ہے۔ تاخیر بھی اکثر جب ہی ہوتی ہے کہ آدمی دوسرے کسی کام میں لگا ہوا ہو اس کام کے ادھ بیچ میں رہ جانے سے نقصان مال کا اندیشہ ہوتا ہے اس نقصان کو گوارا نہ کیا اور نماز میں تاخیر کر دی یہ حب مال ہے کہ من جملہ خواہشات نفسانی ہے۔ اسی طرح نماز میں بے توجہی بھی جب ہی ہوگی کہ جب توجہ دوسری طرف ہو توجہ کا ایک طرف نہ رہنے دینا بھی نفس ہی کا کام ہے اس کی خواہش سے ہوتا ہے۔

غرض کسی نے ترک طاعت کیا یا ارتکاب معصیت تو صرف نفسانی خواہش سے اس کے اندر سب ہی کچھ آ گیا ہر چیز میں خیال رکھے کہ نفس خواہش ہے یا نہیں۔ جب اس پر کوئی محافظت کرے گا تو ممکن نہیں کہ اس سے معصیت ہو اس کی تھوڑے دنوں عادت ڈالنے سے اس کا نفع معلوم ہو سکتا ہے ہر کام کو کرتے وقت سوچ لیا کیجئے کہ اس میں نفس کو لذت آتی ہے یا نہیں اگر لذت آتی ہے تو سمجھ لیجئے کہ یہ ضرور ایک فرد معصیت کا ہے پھر اس لذت سے مغلوب نہ ہو جائے اور اس کی مضرت کو پیش نظر رکھئے اکثر گناہوں میں سب جانتے ہیں کہ مضرتیں ہیں مگر پھر خواہش نفسانی سے مغلوب ہو کر اس کو کرتے ہیں مثلاً غیبت کرنے والا جانتا ہے کہ اگر اس شخص کو خبر پہونچ گئی تو مجھ سے لڑائی ضرور ہوگی اور بہت سے نقصان پہونچیں گے نفع تو کوئی بھی مترتب نہ ہوگا مگر پھر کرتا ہے اور کرنے سے طبیعت کو سکون ہوتا ہے جیسے کسی سے بلا لے لیا یہ خواہش نفسانی ہی ہے جس کے سامنے مضرت کا خوف بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ ایسے بھی پرہیزگار ہیں کہ خود غیبت نہیں کرتے مگر سننے میں مزہ آتا ہے۔ بہت کیا تو جب کسی نے غیبت کی رفع الزام کے لئے کہہ دیا میاں جانے دو اور پھر رغبت کے ساتھ سن رہے ہیں دل میں سمجھ رہے ہیں کہ میں غیبت سے محفوظ ہوں بہت احتیاط کرتا ہوں دوسرے کو بھی منع کر دیتا ہوں (قانونی برتاؤ اللہ میاں سے) جناب اللہ میاں کو دل کی بھی خبر ہے۔

کار با او راست باید داشتن
رایتِ اخلاص و صدق افراشتن

فقط زبانی باتوں سے کیا کام چلتا ہے اگر ان کے باپ کو کوئی گالیاں دینے لگے تو کیسے لڑنے لگیں گے ممانعت اس کو کہتے ہیں اس وقت یہ نہ ہوگا کہ ایک دفعہ اس سے منع کر دیں اور پھر بیٹھے سنتے رہیں حضرت اس منع کرنے سے برأت نہیں ہوتی غیبت میں یہ بھی شامل ہے دیکھئے کہ بعد ممانعت کے اگر وہ خاموش ہو جائے تو ان کے دل میں اشتیاق وانتظار رہتا ہے۔ ظاہراً غیبت نہ کی سہی ظاہر بینوں کی نگاہ میں پرہیزگار بن جائیں مگر باطن میں تو مرض موجود ہے نفس نے جو خواہش کی تھی اس کا ظاہر تک اثر نہ آیا سہی قلب میں تو اس سے التذاذ اور اس کی طرف میلان عزم کے ساتھ موجود ہے یہی اتباع نفس ہے۔ غرض سوچنے والا سمجھ سکتا ہے کہ معصیت کس حد تک ہوگی جہاں تک خواہش نفسانی پائی جائے۔ یہ ایسا جامع لفظ ہے کہ کوئی فرد معصیت اس سے باہر نہیں جاسکتا۔ جب کوئی معصیت ہوگی خواہش نفسانی سے اور اس کی برائی باوجودیکہ ظاہر ہے مگر نفس کی چال میں بڑے بڑے ہوش مند آجاتے ہیں کوئی چیز رشوت میں مثلاً ملنے لگے تو نفس ضرورت بتاتا ہے کہ فلاں فلاں کام تجھے کرنے ہیں ان کے لئے اتنے خرچ کی ضرورت ہے اور ساتھ ساتھ تاویل ذہن میں آتی ہے کہ یہ شخص خوشی سے دیتا ہے کہ اور تجھے ضرورت ہے ہی اس وقت لے لینا چاہئے۔ پھر اللہ میاں کریم ہیں یہ ضرورتیں بھی رفع ہو جائیں گی اور پھر توبہ سے گناہ بھی نہ رہے گا۔ کیسی اچھی بات ہے۔ حضرت یہ سب تدبیریں ہیں جن سے نفس جال میں پھانستا ہے۔ اور اس تاویل کی ضرورت ہے اور اتنی دیر کب گوارا ہے گردن پکڑ کر حکم کر دیا کہ یہ رقم ہرگز جانے نہ پائے پس اس کی تعمیل ہوگئی ہاں جن کو محتاط پاتا ہے ان کے لئے خواہ مخواہ کی ضرورتیں کھڑی کر دیتا ہے اور سمجھا دیتا ہے کہ ان کا پورا کرنا ہے حالانکہ یہ اسراف (۱) ہے مگر ضرورتیں ایسی تراش لیتے ہیں کہ اس کو اسراف بھی نہیں سمجھتے۔ آج کل کے عقل منداس مرض میں بہت مبتلا ہیں مجھے ایک شخص ملے اور خوش خبری سنائی کہ لڑکا نائب تحصیلدار ہو گیا میں نے کہا بڑی اچھی بات ہے اب ذرا صاحبزادے کو تنبیہ کیجئے کہ اسراف نہ کریں کہا جناب کچھ سامان تو کرنا ہی پڑتا ہے بڑے بڑے لوگوں کی آمدورفت ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چار بھلے مانس آکر بیٹھیں اور میز کرسی لیمپ وغیرہ گھٹیا رکھے ہوں یا مکان شاندار نہ ہو۔

(۱) اسراف۔

یہ اسراف ہے جسے ضروری سمجھ رکھا ہے حالانکہ ضرورت دوقسم کی ہوتی ایک واقعی اور ایک فرضی ۔ واقعی ضرورت کی تو انتہا ہو سکتی ہے اور فرضی ضرورت کی کہیں انتہا نہیں۔ ظاہر ہے کہ فرضی میں بے انتہا گنجائش ہے فرض میں محالات تک بھی آ سکتے ہیں جب فرضی ضرورت کی کوئی انتہا نہیں تو اس کے رفع کے لئے کون سی رقم کافی ہو سکتی ہے دنیا میں جو بھی رقم لی جائے گی متناہی ہوگی پھر متناہی لا متناہی کے برابر کیسے ہو سکتی ہے۔ اسراف معصیت تو ہے اور وبال اخروی تو آخرت میں ہوگا مگر دنیا میں بھی اس کا نتیجہ دیکھ لیجئے کہ خاندان کے خاندان اس کی بدولت تباہ ہو گئے ایک شادی بھی جس نے کی اس میں فرضی ضرورتیں پوری کیں تو نقدی اور جائداد اور مال ومتاع سب اس کے نذر کر دیا اور پھر بھی پورا نہ ہوا قرض لے کر بمشکل آبرو بچائی پھر اس قرض سے بعد چندے آبرو بھی گئی ذرا سا ختنہ ہے یا بسم اللہ ہے اس کے لئے ایک بڑی رقم کی ضرورت ہے وہ کہیں نہ کہیں سے آنی چاہئے خواہ رشوت لے کر ہو یا سودی قرض لے کر ہو یا گھر بیچ کر ایسا نہ ہو کوئی رسم رہ جائے۔ یہ سب فرضی ضرورتیں ہیں۔ بیوی کے کان میں پانسو سے کم کا زیور نہ ہو خواہ میاں کی اوقات دو ہی پیسے کی کیوں نہ ہو کہیں سے پانسو لاؤ تب منہ دکھاؤ میز کرسی پوشاک سب باقاعدہ ہوں ایسا نہ ہو کوئی بڑا آدمی انھیں چھوٹا کہدے حضرت بڑے آدمی کو یہ بھی تو معلوم ہوگا کہ میاں کی اوقات صرف پچاس ہی روپیہ کی ہے پھر بڑا کیسے کہدے گا۔ یہ ضرورت نہیں صرف فیشن (۱) ہے۔

لطف یہ ہے کہ جب علماء رسموں کو منع کرتے ہیں تو یہ لوگ ان کے شریک ہو جاتے ہیں اور بڑے شکر گزار ہوتے ہیں کہ صاحب تو یہ آپ بڑا کام کرتے ہیں کہ فضولیات کو چھڑاتے ہیں کیا ضرورت ہے کہ اتنا سونا لا دلیا جائے جس سے کان کٹ پڑیں۔ یہ روپیہ کسی ایسے کام میں کیوں نہ لگایا جاوے جس سے راس المال محفوظ رہے اور چار پیسے اور ملنے لگے تجارت کی جائے یا جائداد لی جائے شادی کی رسمیں مطلقاً چھوڑ دی جائیں اس روپیہ سے لڑکی کے لئے کوئی صورت بسر اوقات کی کیوں نہ کر دی جائے آتش بازی وغیرہ سے ذرا سی دیر کا حظ نفس نہ ہوا نہ سہی۔ غرض علما کی تائید کرتے ہیں البتہ پرانی وضع کے لوگوں کو ضرور شاق ہوتا ہے اور ان نئے فیشن (۲) کے لوگوں کو جب ترک دین

---

(۱) فیشن۔ (۲) فیشن والوں پر زبردست اعتراض۔

آسان ہوا تو رسم دنیا کیا۔ یہ لوگ ساتھ دیتے ہیں اور بھولے سیدھے لوگ خوش ہوتے ہیں کہ یہ بھی علماء کے ہم خیال ہیں بری بات سے منع کرتے ہیں۔ غور کیا تو چوری ان کی پکڑی گئی کہ رسموں سے بیوی کو روکتے ہیں اصلاح میز و کرسی کے لئے نہ اس واسطے کہ اسراف نہ ہو یا روپیہ کسی منفعت کے کام میں لگے بلکہ اس لئے کہ ادھر سے روپیہ بچے تو اپنے فیشن کو درست کریں میز و کرسی سے کمرہ سجائیں ہارمونیم باجا منگائیں کوئی نیلام خرید سے خالی نہیں جاتا۔ بیوی پر تو تقاضا ہے کپڑا کم پہنو سال بھر کے لئے صرف دو جوڑے کافی ہیں گھر میں اپنے سب طرح بسر ہو سکتی ہے۔ بہت کرو کہیں جانے آنے کے لئے ایک اور جوڑا بنا لو زیور جو کچھ میکے سے لائی ہو وہی کیا تھوڑا ہے۔ بہت ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ سادگی کے بھی خلاف ہے۔ ایک صاحب نے بیوی سے کہا کہ ہم کماتے کماتے مرے جاتے ہیں اور تمہیں ذرا خیال نہیں جتنا آتا ہے سب خرچ ہو جاتا ہے ایک پیسہ نہیں بچتا خرچ میں کمی نہیں کرتیں بیوی نے کہا کہ میرے یہاں کوئی بازار کی چاٹ نہیں آتی کوئی چیز ضرورت سے زائد میں نہیں منگاتی کسی کو ایک پیسہ تمہاری بلا اجازت میں نہیں دیتی جو کچھ خرچ ہے تمہارا ہی ہے میں کسی چیز میں زیادہ خرچ کرتی ہوں اور کون سے خرچ میں کمی ہو سکتی ہے کہا نہیں تم نے خرچ بڑھا ہی رکھا ہے اگر ماہانہ رکھو تو اس کی تنخواہ اور خوراک بچے یا نہیں ہم ایک چکی خرید دیں خود پیس لیا کرو اور روز کی پسنہاریوں کی دقت نہ رہے اور پسائی کے دام بچیں اس میں تمہارا ایک اور بھی نفع ہے کہ تندرستی اچھی رہے گی ریاضت کرنا آدمی کے لئے ضروری اور مفید ہے گھر لیپ پوت بھی خود کر لیا کرو ذرا ذرا سے کاموں کے لئے مزدور ڈھونڈھنے پڑتے ہیں ان سب ترکیبوں سے ایک کافی رقم بچ سکتی ہے تھوڑا ہی تھوڑا کر کے بہت ہو جاتا ہے مگر جب تمہیں خیال ہو۔

غرض بیوی کو سب مدوں میں تخفیف کی تدبیریں بتائی جاتی ہیں وہی بیچاری گلا گھونٹنے کے لئے ہر طرح بسر کرتی ہے مگر تمہاری کسی مد میں ذرہ بھر کمی نہ ہو کمرے میں معمولی لیمپ سے کام نہ چلے برقی لیمپ ہونا ضرور ہے اور وہ بقدر ضرورت نہیں بلکہ دس پانچ رکھے رہیں نازک چیز ہے شاید کوئی ٹوٹ جائے تو دوسرا موجود رہے اور ان میں بھی آج ایک نئی ایجاد ہو جائے تو پہلے خریدے ہوئے سب ردی ہیں اب نئے طرز کے خریدنے چاہئیں۔ وعلیٰ ہذا

بیوی کے لئے تو زیور بھی اسراف ہے اور آپ کے لئے کوئی چیز بھی اسراف نہیں بیوی کا اسراف ایک طرح کا ہے پرانے فیشن کا اور میاں کا اسراف دوسری طرح کا ہے نئے فیشن کا ۔ دونوں کو چھوڑ و ۔ تَرَکْتُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی جَمِیْعًا یہ سب فضولیات ہیں جن کو نفس ضروری بتا کر طلب کرتا ہے ان کی تکمیل خواہش نفس کی تعمیل ہے جس میں بڑے بڑے عقل مند گرفتار ہیں معلوم نہیں عقل کس طرح روا رکھتی ہے کہ اپنے آپ کو دشمن کے ہاتھ میں دے دیا جائے جس کی دشمنی دنیا میں بھی ظاہر ہو چکی اسراف کے نتائج آپ نے دیکھ ہی لئے ۔ مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ ہر کام میں پوچھتا کہ حق تعالیٰ کا کیا حکم ہے ۔ بجائے اس کے ہر کام میں شیطان اور نفس سے پوچھا جاتا ہے کہ سرکار کا کیا حکم ہے اور جو اس نے کہہ دیا بے دھڑک کر ڈالا خواہ اللہ کے خلاف یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ۔

مسلمانو کیا جواب ہوگا اگر پوچھا جائے گا اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وَ اَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُوْعَدُوْنَ ۔ پوچھیں (۱) گے اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا دشمن ہے میری عبادت کرنا یہ سیدھا راستہ ہے اور دیکھ چکے تھے کہ بہتوں کو اس نے گمراہ کر دیا تھا کیا تمہیں عقل نہ تھی اب یہ جہنم موجود ہے ۔ میں کہتا ہوں اگر صرف پوچھا ہی جائے اور دوزخ نہ بھی ہو تو یہ کیا تھوڑا ہے کہ کہا جائے کہ کیوں صاحب ہمارا عہد یاد ہے ہم سے تعلق قطع کر کے باوجودیکہ ہم ہر وقت مہربان تھے اس سے جوڑا جو ہر وقت دشمن تھا اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ خجالت اٹھانی پڑے ۔ دنیا میں تو قاعدہ مسلمہ ہے کہ بھلائی کا بدلہ بھلائی مگر اللہ میاں کے ساتھ معاملہ برعکس کیا جاتا ہے ۔ جس قدر اس طرف سے احسانات زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر اس طرف سے کفران نعمت ہوتا ہے ۔ جس قدر ادھر سے ساتھ دیا جاتا ہے اسی قدر ادھر سے قطع کیا جاتا ہے اور بمقابلہ محسن کے دشمن کی پیروی ہوتی ہے دشمن نے جس چیز کا حکم کر دیا اس کو کہا جاتا ہے کہ اس کی ضرورت ہے اور اللہ میاں نے جس چیز کا

(۱) اس وقت مجلس پر ہیبت چھائی ہوئی تھی اور سکوت تھا ۔

حکم کیا وہ قدرت سے باہر ہے اور ترقی سے روکنے والا ہے۔

حضرت یہ چیزیں جن کو نفس ضروری ثابت کرتا ہے ان میں انہماک سے حق تعالیٰ سے بعد بڑھتا ہے اور غفلت پیدا ہوتی ہے۔

عاقبت سازد ترا از دین بری
این تن آرائی واین تن پروری
باہواؤ آروز کم باش دوست
چوں یضلک عن سبیل اللہ اوست
تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست
چوں ہوا جز قفل آن دروازہ نیست

دیکھو ایک جگہ کیا شکایت فرماتے ہیں اَرَأَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ اس شخص کو بھی دیکھا تم نے جس نے اپنا معبود خواہش نفسانی کو بنایا ہم کو چھوڑ کر اپنے دشمن کی اطاعت اختیار کی۔ تعجب ہے کہ اللہ میاں نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا احکام کی مصلحتیں بتائیں اور سمجھایا اور خاک نہ سنا اور نفس نے اندر سے ایک شرّہ چھوڑ دیا کہ اِفْعَلْ هٰكَذَا۔ بس ایسی بیعت کی ہے کہ کوئی ضرورت نہیں دلیل کی اور کچھ حاجت نہیں مصلحت دریافت کرنے کی جو حکم ہوا فوراً تعمیل اللہ میاں کے احکام میں کبھی ہر ہر بات کی علت ڈھونڈھی جاتی ہے اور اس کی مصلحت پوچھی جاتی ہے حالانکہ شرائع میں (۱) علل اور مصالح ضرور ہیں مگر ہر شخص کی عقل نارسا کی رسائی تو وہاں تک نہیں پھر ہم کو علت نکالنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب دلیل صحیح سے ثابت ہو گیا عمل کر لیا۔ کبھی اس میں گنجائش نکالی نہیں جاتی ہے کہ کیوں صاحب اس کے خلاف کرنے میں کچھ اسلام سے تو خروج نہیں ہوتا بس جب اسلام سے خروج نہیں ہوتا اور نفس کا حکم خلاف پر ہے ہی جس کو ضرورت کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر کیوں نہ کیا جائے۔ یہ حالت بھی ان لوگوں کی ہے جن کو اسلام کا کسی قدر پاس ہے اور دعویٰ ہے کہ ہم شریعت کے خلاف کوئی کام کرنا نہیں چاہتے (خلاف شریعت شاید منحصر فی فرد واحد ہے۔ یعنی وہ عمل میں جس میں خروج عن الاسلام ہی لازم آجائے) اور جو لوگ کہ پورے آزاد ہیں ان کو تو دلیل اور غیر دلیل سے بحث

(۱) بناء احکام الٰہی مصالح پر سمجھنے والوں پر اعتراض۔

ہی نہیں ان کے نزدیک گویا خود احکام کا خلاصہ ہوائے نفس ہی ہے اللہ میاں کے احکام کوئی چیز ہی نہیں جو لوگ اسلام کا پاس رکھتے ہیں ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیوں صاحب جس قدر حجتیں اللہ میاں کے احکام میں ہوتی ہیں اگر نفس کے حکم میں ہوتیں تو کیا حرج تھا۔ اتنی حجت تو کیا اگر نفس سے خواہش کے وقت صرف اتنا ہی پوچھ لیا کریں کہ اس میں کیا مصلحت ہے جس کی وجہ سے اختیار کیا جائے اور پھر مصلحت میں غور کرلیا کریں کہ واقعی ہے یا فرضی تب بھی تو بہت سی برائیوں سے حفاظت ہو جائے۔ مگر کہاں اس کے ہاتھ میں تو ایسی باگ دی ہے کہ جب وہ کہے چل چلنا پڑتا ہے اور جب کہے ٹھہر، ٹھہرنا پڑتا ہے نفس اگر خندق میں گرائے تو خندق ہی میں گرنا پسند ہے اور اگر آسمان پر چڑھائے تو آسمان پر چڑھنا قبول ہے۔ اللہ میاں نے ایک حکم کیا کہ اس میں مصلحت تھی اس کو نہ کیا اور نفس نے ایک خواہش کی جس میں سراسر مضرت تھی اس کو کر ڈالا۔

ایک تاجر سے کوئی سو کا مال پچیس اوپر سو کو خرید تا تھا مگر نہ دیا اور دیا کہاں جہاں پچیس اور کم ملے۔ نہ معلوم اول خریدار سے اس کو اتنی منافرت کیوں ہے اس کو اتنا خیال کہ پچیس زیادہ دیتا ہے گویا اپنا نقصان کرتا ہے کہ تجارت میں کچھ اس کے پلے پڑ رہے اور ان کو ایسی ضد کہ اپنا مال پھینکیں گے اور خسارہ ہی دیں گے مگر تمہاری مخالفت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ افسوس۔

خواہش (۱) نفسانی وہ بری چیز ہے کہ دنیا کی بھی خرابی اور دین کی بھی صدہا مصیبتیں ہیں کہ ان میں دنیاوی نقصان ہیں معصیت میں دنیا کی بھی مضرتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اللہ میاں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں آدمی اسباب کو جمع کرتا ہے مگر وہ اسباب مودی الی السبب بہت کم ہوتے ہیں ہر کام میں پریشان رہتا ہے بعض آدمی ذرائع کم رکھتے ہیں اور کام زیادہ نکلتا ہے اس کے برعکس اس کو ذرائع زیادہ رکھنے پڑتے ہیں اور کام اتنا بھی نہیں ہوتا۔ اور ایک یہ کہ رزق میں تنگی ہوتی ہے آپ کہیں گے ہم پر تو تنگی نہیں میں کہتا ہوں رزق سے مقصود کیا ہے اطمینان یہ معصیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوتا اطمینان فراغ قلب کا نام ہے ناجائز طریق سے کتنا ہی مال حاصل کر لیجئے مگر جو نشاط اور بے فکر قلب کو تھوڑے حلال کے مال سے ہوتی ہے وہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی یہ ایسی بات ہے

---

(۱) معصیت کی دنیاوی مضرتیں۔

کہ تجربہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے وجدانی سی بات ہے شعر

پرسید یکے کہ عاشقی چیست
گفتم کہ چو ما شوی بدانی

عنین محض کو کتنا ہی سمجھاؤ کہ عورت کی یہ لذت ہوتی ہے مگر وہ ہرگز نہ سمجھے گا اور الٹا تمہیں کو بیوقوف بنائے گا اگر اس کے سمجھانے کی کوئی تدبیر ہے تو بس یہ کہ اس کا علاج کرو جب قوت رجولیت پیدا ہوجائے گی آپ بیوقوفی اور عقل مندی کو سمجھ لے گا معصیت کو چھوڑ کر طاعت اختیار کرو اور دیکھو قلب میں کیا بات پیدا ہوتی ہے آشکارا ہوجائے گا کہ اطمینان یہ چیز ہے۔

اس پر دلیل فلسفی بھی ہے وہ یہ کہ معصیت کرنے والا غیر اللہ کا طالب ہے اور اس تک پہونچ جانا اور اس کو پالینا ضروری نہیں اور مطیع طالب ہے اللہ میاں کا اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہیں ادھر سے ذرا سی کوشش چاہئے ادھر سے خود کرم فرماتے ہیں غیر اللہ کی طلب پر چونکہ نتیجے کا ترتب ضروری نہیں اس لیے کامیابی نہیں ہوتی اور دل کو فراغ حاصل نہیں ہوتا اور اللہ میاں کی طلب پر نتیجہ مترتب ہوجاتا ہے اس لئے قلب کو راحت ملتی ہے اسی کا نام اطمینان اور فراغ ہے طاعت وہ چیز ہے کہ اس کی لذت وہی جانتا ہے جو پاتا ہے۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش
آزمودن را یک زمانے خاک باش

ارے غافل پتھر تو برسوں رہا ہے امتحان کے لے ذرا دیر خاک ہو کر بھی دیکھ جو بھی نام بھی لے پتھر ہونے کا خاک ہونا وہ چیز ہے کہ خاک ہو کر پتھر ہونا کسی نے قبول نہیں کیا اور پتھر بہتیرے خاک ہو گئے طاعت وہ چیز ہے کہ جب تک کسی نے نہیں کی جب ہی تک وہ علیحدہ ہے جہاں تھوڑی سی بھی کی پھر طاعت خود اس کو نہیں چھوڑتی وہ چھوڑنا چاہتا ہے مگر یہ اڑ اڑ کر لپٹتی ہے کر کے دیکھو امتحاناً ہی سہی میں کہتا ہوں امتحان کرنے سے تو اثر کیا بھولے (۱) سے بھی طاعت اگر ہوگئی تو اثر ضرور کرے گی کپڑا بھولے سے رنگ میں گر جائے تو گو وہ بات نہ آئے گی کہ اگر کوئی قصداً رنگتا مگر دھبے تو ضرور ہی پڑ ہی

(۱) طاعت سہواً بھی موثر ہے۔

جائیں گے تجربہ ہوا ہے لوگوں کو کہ دھوکے سے طاعت ہوگئی اور اثر ہوگیا۔ قصہ مشہور ہے کہ چور بادشاہ کی لڑکی پر عاشق تھا ایک روز کہیں چوری کے ارادہ سے بادشاہ کے یہاں پہونچ گیا وہاں بادشاہ اور بیگم میں اسی لڑکی کی شادی کی نسبت گفتگو تھی بادشاہ کہہ رہے تھے کہ میں تو اس کی شادی کسی ایسے شخص سے کروں گا کہ نہایت عابد زاہد متقی ہو۔ یہ چور صاحب چوری تو بھول گئے اور بہت غنیمت سمجھا کہ آج خوب کام بنا وہاں سے آکر ایک مسجد میں جا بیٹھے اور دن رات عبادت کرنا شروع کی تہجد بھی اشراق بھی چاشت بھی۔ غرض عبادت ہی سے کام تھا لوگوں میں شہرہ ہوا کہ ایک بڑے عابد صاحب تشریف لائے ہیں رفتہ رفتہ تمام شہر میں ان کی شہرت ہوگئی ادھر بادشاہ نے آدمی تعینات کر رکھے تھے کہ دیکھو شہر میں سب سے زیادہ عابد و پرہیزگار کون ہے مخبروں نے خبر دی کہ ایک عابد صاحب فلاں مسجد میں تشریف رکھتے ہیں ان سے زیادہ متقی و پرہیزگار کوئی نظر نہیں آتا بادشاہ نے خاص وزیر کو ان کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ اور یہاں کام ہو چکا تھا انہوں نے التفات بھی نہ کیا۔ خیر وزیر نے نہایت ادب سے پیغام شاہی سنایا انہوں نے کہا دراصل نیت تو میری فاسد تھی اسی غرض سے عبادت شروع کی تھی مگر حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اب مجھے نہ آپ کی بیٹی کی ضرورت ہے نہ آپ کے جاہ و حشم کی بس تشریف لے جایئے اور میرا وقت ضائع نہ کیجئے۔

طاعت ایسی ہی چیز ہے کہ بعض اوقات گو اس میں غرض صالح نہ ہوگا مگر انجام کار اسی سے درستی ہو جاتی ہے دیکھا جاتا ہے کہ بہت لوگ اغراض فاسدہ سے اسلام قبول کرتے ہیں لیکن آخر کو وہی اسلام کامل ہو جاتا ہے ایسوں کے اسلام کو بھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے بعض لوگ (۱) غافل نادان کہتے ہیں کہ ان بھکاریوں کو مسلمان نہ کرنا چاہئے ان لوگوں نے پیشہ کرلیا ہے ان کے مسلمان کرنے کا نتیجہ ہی کیا ہے سوائے اس کے کہ مسلمانوں سے روپیہ ٹھگتے پھریں کوئی کہتا ہے میرے ذمے اتنا قرضہ تھا مسلمان لوگ مل کر ادا کریں کوئی کہتا ہے مجھے روزہ نماز سیکھنے کے لئے فلاں فلاں کتاب کی ضرورت ہے مسلمان لے دیں اس میں اسلام کی بدنامی ہے کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں مجھ سے ایک صاحب یہی فرماتے تھے میں نے ان کو جواب دیا کہ اگر ایسی بدنامی کی وجہ سے

---

(۱) قول جہال بھکاریوں کو مسلمان نہ کرو۔

اخراج عن الاسلام کریں تو آپ میں بھی ایسے عیوب ہیں جن سے اسلام بدنام ہوتا ہے ان کی وجہ سے آپ کو اسلام سے کیوں نہ نکال دیں۔ نیا مسلمان تو جنید بغدادیؒ ہی ہو اور موروثی شیطان بھی ہو تو پروانہیں۔

میں تجربہ سے کہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان کسی طمع سے ہوتا ہے مال کی طمع ہو یا اور کسی چیز کی مگر اسلام وہ چیز ہے کہ خود دل میں جگہ کر لیتا ہے ایک بزرگ کا قول ہے۔ تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللّٰہِ فَاَبیٰ الْعِلْمُ اِلَّا اَنْ یَّکُوْنَ لِلّٰہِ میں نے علم سیکھا تو تھا غیر اللہ کے لئے مگر علم نے خود نہ مانا اور اللہ ہی کا ہو کر رہا آگ جلاؤ اور یہ قصد نہ کرو کہ لکڑی جلے تھوڑی دیر میں لکڑی راکھ ہو جائے گی آگ میں یہ اثر ہے کہ لکڑی میں خود گھس جاتی ہے آپ کے قصد پر موقوف نہیں۔ کسی بزرگ سے کسی نے کہا دیکھئے صاحب فلاں آدمی دکھلاوے کا ذکر کیا کرتا ہے کہا تو تو دکھلاوے کا بھی نہیں کرتا وہ دکھلاوے کا کرتا ہے مگر کرتا ہے کبھی نہ کبھی ذکر اس کے دل میں جگہ کر ہی لے گا اور تجھے کیا امید ہمارے حضرت فرماتے تھے عبادت اول (۱) ریا ہوتی ہے چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عبادت اور اخلاص۔ واقعی یہ بات بالکل صحیح ہے دیکھ لیجئے کہ بچپن میں آدمی نماز پڑھتا ہے اس وقت کیا حالت ہوتی پھر سن شعور میں اور کیفیت ہوتی ہے اور بڑی عمر میں کچھ اور ہی بات پیدا ہو جاتی ہے بچپن میں استاد یا والدین کے خوف سے پڑھی جاتی ہے اگر کسی وقت ان کی نگرانی نہیں ہوتی تو ٹال بھی دی جاتی ہے یا بے وضو ہی اڑا دیتے ہیں یہ ریا ہی ہے۔ پھر پڑھتے پڑھتے سن شعور میں پہونچ کر طبیعت مانوس ہو جاتی ہے اور جیسا کہ اور امور ضروری کا تقاضا ہوتا ہے ایسا ہی نماز کا ہونے لگتا ہے تا وقتیکہ ادا نہ کر لی جائے طبیعت پر بار رہتا ہے اگر نفس کبھی ٹالنا چاہتا ہے تو زائد سے زائد تاخیر کی نوبت آتی ہے یہ نہیں ہوتا کہ قضا کر دیں یہ مرتبہ عادت کا ہے۔ اس کے بعد تو بحمد اللہ یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بلا نماز چین ہی نہیں پڑتا یہ مرتبہ اخلاص کا ہے۔ غرض عبادت ابتداء کسی کیفیت کے ساتھ ہو مگر کبھی نہ کبھی دخول دل میں جگہ پکڑ لیتی ہے۔ اس کا تجربہ مدرسہ میں رہ کر اچھی طرح ہوا بہت سے طلبہ کو دیکھا کہ اول ان کی نیت اچھی نہیں ہوتی مگر فارغ ہوتے ہی مخلص بن جاتے ہیں بالکل حالت پلٹ جاتی ہے۔ وجہ

(۱) عبادت اول ریا ہوتی ہے پھر عبادت اخلاص۔

یہی ہے کہ اول اگر چہ نیت ٹھیک نہ تھی مگر شروع ایسی چیز کو کیا ہے کہ وہ خود ٹھیک کر لیتی ہے۔ یہی بات ہے کہ اس کو جو لوگ نہیں جانتے ہیں وہ طالب علموں کی ابتدائی حالت (۱) دیکھ کر طرح طرح کے اعتراض کیا کرتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ لوگ بالکل مہمل ہوتے ہیں دنیا سے تو نا آشنا ہیں دین ہی میں کیا کمال پیدا کیا میں کہتا ہوں ابھی ان کی حالت کیا دیکھتے ہو پڑھنے دو انھیں میں مقتدا لوگ ہوں گے اور انہیں میں غزالی وقت بھی ہوں گے طالب علموں سے اگر ذرا قصور ہو جائے تو تمام شہر میں سن لیجئے اسلامی مدرسہ والوں نے یوں کیا کس قدر مغائرت اس لفظ سے ٹپکتی ہے آپ کو ان سے تعلق رکھنا چاہئے یا قطع کرنا یہ تمہارے دین کے حامل ہیں ان سے قطع کرنا کس سے قطع کرنا ہے آپ کو ان سے تعلق ہی رکھنا چاہئے اگر آپ کا بچہ بازار میں کسی سے لڑ آئے اور یہ بھی آپ کو معلوم ہو جائے کہ سراسر زیادتی اسی کی تھی تو آپ اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے اگر لڑائی کے وقت آپ پہونچ جائیں گے تو لڑکے کی زیادتی اور عدم زیاتی کی طرف تو خیال بھی نہ ہوگا اس وقت تو اسی کی حفاظت کریں گے اور جس طرح ممکن ہوگا اس کی بات نیچی نہ ہونے دیں گے پھر اس غصے کے فرو ہونے کے بعد علیٰحدگی میں بچے کو فہمائش کریں گے آئندہ ایسی زیادتی نہ کرنا (یہ بھی جب ہے کہ آپ بہت حق پسند ہوں ورنہ باطل ہی کی پیروی ہوگی اور اس کو کچھ ملامت وغیرہ نہ ہوگی) اور اگر کوئی غیر آدمی پوچھے گا کہ میاں کیا بات تھی تو یا تو اپنے بچہ کی سی کہیں گے اور اگر بالکل ہی صریح خطا ہوگی تو کہہ دیں گے کچھ نہیں بازار میں ایک آدمی سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا لڑکا تیز مزاج ہے دبتا کسی سے نہیں بات بڑھ گئی۔ اپنے بچے کے عیب کو کیوں مشہور نہ کیا اس کا عیب عیب نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ اس سے آپ کو طبعی تعلق ہے اس کی بدنامی اپنی بدنامی ہے۔ بچے سے طبیعت کے حکم سے تعلق ہے طالب علم سے حق تعالیٰ کے حکم سے تعلق رکھا ہوتا تو اس کے قصور کو بھی اپنے بچے کے قصور کی طرح دبایا ہوتا بچے کے بدنامی میں اپنی بدنامی سمجھی تھی طالب علم کی بدنامی میں اپنے دین کی بدنامی سمجھی ہوتی۔ بعض لوگ کہدیا کرتے ہیں کہ اگر ان کے قصور نہ پکڑے جائیں تو ان کو تنبیہ کیونکر ہو میں کہتا ہوں اپنی طبیعت سے ہی انصاف کر لو کہ جس طرح اپنے بچے کو تنبیہ کرتے ہو اسی طرح طالب علم

(۱) طالب علموں کے ساتھ برتاؤ۔

کو کرتے ہو یا نہیں فرض کرلو کہ تمہارا بچہ اس قدر شریر ہو کہ باوجود فہمایش کے بھی نہ مانے اور بدتر سے بدتر حرکتیں کرے جس سے خاندان بھر پر دھبہ آجائے ننگ و ناموس کو بٹہ لگ جائے تب آپ اس کیساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں کیا آپ اس سے بالکل قطع کر دیتے ہیں۔ قطع نہیں کرتے۔ اور اگر کوئی قطع بھی کر دے تو دل پر وہ صدمہ رہتا ہے کہ موت سے بدتر ہے باوجود قطع کے تمام عمر یہی چاہتے ہیں کہ کاش یہ احمق اپنی حرکتیں چھوڑ دے خود سمجھانے سے جب اثر نہیں ہوتا تو جن کا وہ لحاظ کرتا ہے ان سے فہمائش کرائی جاتی ہے۔ طالب علم کے کسی بڑے جرم پر تو کیا ایک چھوٹے سے قصور پر بھی میں پوچھتا ہوں کہ اسی طرح مشفقانہ تنبیہ ہوتی ہے یا اجنبیانہ اگر اسی طرح مشفقانہ تنبیہ آپ کرتے ہیں تو الحمد للہ ہو المقصود اور اگر نہیں ہے تو میں پھر کہتا ہوں کہ ان سے آپ نے قطع کیوں کیا کیا وہ آپ کے دین کے محافظ نہیں ہیں یا آپ کے ذمے دین کی حفاظت نہیں ہے ان کے ایک کے قصور پر آپ سب کو بدنام کیوں کرتے ہیں کیا آپ کے سب بچے ایک ہی صالح ہوتے ہیں یا بچپن ہی سے آپ کے بچے تمیز دار ہوتے ہیں ان میں بھی اگر ایک کم سمجھ ہے تو بڑے بڑے سمجھدار بھی تو ہیں آج اگر یہ کم استعداد ہیں تو کل امام وقت اور غزالی وقت بھی تو انہیں میں سے ہوں گے ابتدائی حالت دیکھ کر ان پر اعتراض مت کرو ہر طاعت کی ابتدائی حالت ایسی ہی ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ طاعت ہونی چاہئے خواہ کسی طرح ہو پھر طاعت آدمی کو خود درست کر لیتی ہے اور طاعت ایسی چیز ہے کہ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں نفع ہیں رزق میں کشایش ہوتی ہے اگرچہ آدمی چنداں مالدار نہ ہو مگر طاعت کے ساتھ عجیب طرح کا اطمینان اور فراغ قلب میں ہوتا ہے اور برعکس اس کے معصیت سے رزق میں تنگی ہوتی ہے اور اطمیان ہرگز نصیب نہیں ہوتا اس کے علاوہ اور بھی مضرتیں ہیں جو معصیت پر متفرع ہیں۔

غرض فرمانبرداری میں ہمیشہ مسرت ہوتی ہے اور معصیت سے مضرت۔ اور یہ تو لازمی مضرتیں ہیں اکثر مضرتیں (۱) متعدی ہو جاتی ہیں جیسے غیبت کہ جب ایک آدمی کسی کی غیبت کرے گا تو دوسرے کو خبر پہونچے ہی گی پھر وہ کیوں نہ کرے گا بلکہ اس سے دونوں میں عداوت پیدا ہوگی پھر عداوت وہ چیز ہے کہ جب دو میں پڑ جاتی ہے تو

(۱) معصیت کی متعدی مضرتیں۔

دونوں کا نماز روزہ سب عداوت ہو جاتی ہے اٹھنے میں بیٹھنے میں ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ کسی طرح دوسرے کو نقصان پہونچے۔ نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل میں دوسرے کو نقصان پہونچانے کی تدبیریں سوچی جارہی ہیں۔ یہ کیا نماز ہوئی۔ شغل قلب ہوا اور کا ہے سے حرام چیز سے منہ میں روزہ ہے اور زبان دوسرے کی غیبت میں آلودہ ہے دل میں خوش ہیں کہ روزہ ہے یہ خبر نہیں کہ روزے میں ان چیزوں کو تو چھوڑا جو فی نفسہ حلال تھیں یعنی کھانا پینا اور جو چیز ہمیشہ حرام ہے اس کو نہ چھوڑا تو کیا روزہ ہوا۔ غرض یہ عداوت اسی غیبت کی بدولت ہوئی اور عداوت وہ چیز ہے کہ قلب کو ایک ہی طرف کا کر لیتی ہے اور صرف ایک کام رہ جاتا ہے مضرت رسانی آپ جانتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا لفظ کس قدر شر کو جامع ہے تفصیل کی ضرورت نہیں اظہر من الشمس ہے کہ یہ اتحاد کی ضد ہے جتنی خیر دنیوی دینی اتحاد میں ہے اتنا ہی شر بمقابلہ اس کے اس میں ہے یہ سب کا ہے سے ہوا صرف ذرا سی غیبت سے۔ یہ معصیت کی متعدی مضرت کی مثالیں ہوئی یہ بھی خواہش نفسانی کا ایک فرد اور خواہش نفسانی کی خرابی سنئے میرا اور آپ کا جائداد پر مقدمہ ہے ہر شخص کی خواہش ہوئی کہ مجھ کو ہی پورا مل جاوے بس لڑائی ہو گی اگر دونوں یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہیں چاہئے تو طول کا ہے کو کھینچتا مقدمہ بازی کی نوبت کیوں آتی اور باہمی نفاق اور عداوتیں کیوں پیدا ہوتیں چنانچہ حدیث شریف میں ایک قصہ ہے۔ (امم سابقہ (۱) میں بھی بڑے بڑے اچھے لوگ ہوئے ہیں) ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ ایک مکان بیچا مشتری نے جب دخل لیا تو اس میں ایک گھڑا سونے کا بھرا ہوا پایا وہ گھڑا لے کر بائع کے پاس آیا کہ لو اپنا گھڑا لے لو تمہارے مکان میں سے نکلا ہے اس نے کہا میں تو مکان کی قیمت لے چکا میرا اس میں کیا ہے اس نے کہا میں نے تو قیمت مکان کی دی ہے اس پر عقد ٹھہرا ہے یہ گھڑا عقد میں شامل نہیں میں کیسے لوں۔ ایمانداری اسے کہتے ہیں اگر آج کل گھڑا نکل جائے تو مزہ آجائے کانپور میں (۲) دو آدمیوں نے کہیں سن لیا تھا کہ شب برأت میں جو کچھ دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے شب برأت کو دونوں ایک مٹی کا بڑا ڈھیلا لے کر بیٹھے اور اس پر ایک رومال ڈھانک دیا اور دعا مانگنی شروع کی کہ یا اللہ یہ مٹی سونا ہو جائے تمام رات جاگے اور اسی

---

(۱) حکایت امم سابقہ۔ (۲) کانپور کا قصہ۔

دعا میں رہے جوں جوں صبح قریب ہوتی تھی اشتیاق بڑھتا جاتا تھا کہ اب یہ سونے کا ہوجائے گا بمشکل صبح پکڑی اور جلدی سے اس کو کھولا دیکھیں تو وہی مٹی۔ ساری آرزوئیں خاک ہوگئیں، اوردل مرگیا کہ شب قدر بھی خالی گئی، جس پر بڑا اعتماد تھا۔ طرح طرح کے شیطانی خیال دل میں آئے کہ دعا کو ویسے بھی سنا کرتے تھے کہ قبول ہوتی ہے اور آج تو شب قدر (۱) تھی۔ اسی تردد میں بیٹھے تھے خیریت ہوئی کہ بندۂ خدا ایک درزی پہونچ گیا یہ کچھ اہل علم کی صحبت پائے ہوئے تھا ان سے پوچھا کیسے ست ہو انھوں نے سارا قصہ بیان کیا کہا بھائی شکر کرو اس میں کچھ حکمت ہوگی ایک ذرا سی بات تو مجھے بھی معلوم ہوتی ہے کہ اللہ میاں نے تمہارے بدخواہ نہیں ہیں تم نے تو یہ سمجھا کہ مٹی کے سونا بننے میں تمہارا نفع ہے مگر تھا نقصان ابھی جب صبح تم نے ڈھیلے کھولا اگر وہ سونے کا نکلتا تو تم دونوں میں لڑائی تو ابھی ہوتی پھر جانے کہاں تک طول کھنچتا ممکن ہے کہ ڈھیلا کسی تیسرے کا ہوجاتا اور تم دونوں لڑائی مفت میں بندھ جاتی۔ آدمی سمجھدار تھا۔ دونوں کی تسکین ہوگئی۔ موہوم سونے کے لئے تو اتنی محنت کی کہیں سونے کا گھڑا نظر پڑ جائے تو جانے کیا ہو۔ اس کو دیکھئے کہ گھڑا مالک مکان کو دینے آیا اور مالک کو دیکھئے کہ لینے سے انکار ہے۔

وہ (۲) لوگ ایسے تھے۔ صحابہؓ کا ایک قصہ کتاب میں آتا ہے کہ ایک غزوے میں بہت سے آدمی شہید ہوئے چند آدمی نزع کی حالت میں تھے موت کے وقت تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے ایک شخص نے آواز دی کہ کوئی میرے حلق میں ذرا سا پانی ڈال دے تو بڑا کام کرے ایک بندۂ خدا کاسہ میں پانی لے کر پہونچے اور چاہتے تھے کہ ان کے منہ میں ڈالیں کہ اتنے میں ایک طرف سے اور آواز آئی کہ ذرا سا پانی کوئی پلاتا انہوں نے پڑے پڑے کہا پہلے ان کو پلاؤ پھر مجھے پلانا یہ شخص پیالہ لے کر ان کے پاس پہونچے پلانا ہی چاہتے تھے کہ اسی طرح اور ایک آواز آئی غرض مقتل میں چھ سات جگہ اسی طرح پانی لئے پھرے اور سب ہی کہتے رہے پہلے میرے بھائی کو پلاؤ۔ اخیر میں جن کے پاس پہونچے ان کو پلانے کی نوبت نہ آئی تھی کہ دم آخر ہوگیا یہ شخص واپس ہوئے اور پہلوں کے پاس

(۱) یہاں تک حضرت نے اسی طرح کلمات کو توڑ توڑ کر ادا فرمایا جیسے لکھے گئے۔
(۲) قصہ صحابہؓ بابت ایثار۔

پانی لائے جس کو دیکھا دم آخر ہو چکا ہے ایک نے بھی پانی نہ پیا اور پیالہ بھرا ہوا لے کر چلے آئے۔ ایثار اس کو کہتے ہیں پانی وہ چیز ہے کہ سفرحج میں دیکھا ہے کہ باپ بیٹے کو پیاس میں چھوڑ دیتے ہیں موت کے وقت کی پیاس کا کیا حال ہوگا۔

غرض ہم میں جو بجائے ایثار کے کشاکشی اور نزاع وجدال ہے اس کی وجہ وہی اتباع ہوا ہے یہی باہم اتفاق نہیں ہونے دیتا آج کل سب نے یاد کرلیا ہے اتفاق اتفاق یہ خبر نہیں کہ اتفاق کاہے سے ہوتا ہے اتفاق ہوتا ہے خواہش نفسانی کو روکنے سے دو شخصوں میں جب جھگڑا ہوگا کسی ایسی چیز پر ہوگا کہ ہر ایک ان میں سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا اگر دونوں اپنی خواہش کو روک لیں اور اس چیز کی طلب چھوڑ دیں تو پھر جھگڑا کیسا اور نا اتفاقی کہاں۔ اتفاق اتفاق کہتے رہئے اور نفس کو روکئے نہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے۔

غرض جملہ شروں کی جڑ اگر ہے تو خواہش نفسانی ہی ہے۔ خواہش نفسانی ہی روکنے کی چیز ہے دیکھئے اگر روکا نہ جائے نفس کو تو کیا انجام ہوتا ہے۔ اس نکتے کو سب ہی نے سمجھا حتی کہ حکام میں سے ان لوگوں نے جن کو مذہب سے علاقہ بھی نہیں۔ حاکم کیا(۱) کرتا ہے بعض افعال سے روکتا ہے اور بعض کی اجازت دیتا ہے جن افعال سے روکتا ہے وہ وہی تو ہیں جن کو لوگ کرنا چاہتے ہیں مگر اس کے نزدیک باعث مضرت ہیں۔ معلوم ہوا کہ دنیاوی مصلحتوں کا مقتضا بھی یہی ہے کہ ہر شخص کو اپنی خواہش پورا کرنے کی اجازت نہ دی جائے اگر حاکم ان افعال سے نہ روکے تو دیکھئے کیا ہو ڈاکوؤں کو ڈاکہ ڈالنے دے چوروں کو چوری کرنے دے زیردستوں پر زبردستوں کو ظلم کرنے دے۔ غرض ہر شخص کو مخلی بالطبع کر دے کہ اپنی خواہش کے موافق جو چاہو کرو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس حالت میں کس لطف سے زندگی بسر ہوگی۔ قانون کیا ہے ملک کے افعال کی ایک حد قائم کرنے والی چیز ہے یا کچھ اور جو کوئی اس حد سے گذرے اس کو جزا وسزا ہوتی ہے جب اس گذرنے میں کچھ برائی سمجھی گئی ہے تب ہی تو اس پر جزا و سزا ہے سب کو مخلی بالطبع کیوں نہ چھوڑ دیا گیا فرض کیجئے کسی کو روپیہ کی ضرورت ہے یا ضرورت نہیں بھی ہے یوں ہی کسی سے چھیننے کو جی چاہتا ہے تو اس کو کیوں منع کرتے ہیں اور اگر چھین لے تو چالان کیوں ہوتا ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے ضرورت ہے یا میرے جی کو

(۱) اہل دنیا بھی خواہش نفسانی کو برا مانتے ہیں۔

کیوں مارتے ہو خواہش پوری کرنے دو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو اجازت دینے میں کوئی ایسی مضرت ہے کہ اس کے مقابلے میں ضرورت کا خیال بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔

دنیاوی انتظاموں کو بھی دیکھ کر یہ بات صاف نکلتی ہے کہ خواہش نفسانی روکنے ہی کی چیز ہے اگر خواہش نفسانی روکنے کی چیز نہیں تو اپنے گھر میں بی بی کو کیوں روکتے ہو اس کو تو طرح طرح سے سمجھاتے ہو زیادہ زیور فضول ہے پوشاک میں زیادہ تکلف سے کیا فائدہ۔ مگر اپنے نفس کو نہیں روکتے اگر آزادی ہی پسند ہے تو بی بی کو بھی آزادی دو جس طرح چاہے خرچ کرے اور اگر آزادی میں نقصان ہے تو جس طرح بی بی کو بے فائدہ کاموں سے روکتے ہو اپنے نفس کو بھی پابند کرو مگر دونوں کے آزاد ہونے کے تو کوئی پسند نہ کرے گا تو لامحالہ دوسری ہی شق رہ گئی کہ دونوں پابند ہوں۔ پابندی وہ چیز ہے کہ کسی کو اس سے چارہ نہیں فرق اتنا ہے کہ جو عقلمند ہیں بالاختیار کرتے ہیں اور کم عقل جبراً اور قہراً پابند بنائے جاتے ہیں۔ آپ نفس کو بالکل آزاد کسی طرح نہیں کر سکتے اگر قانون خداوندی سے آزاد کر دیا اور اللہ میاں نے دنیا میں کچھ نہ کہا تو قانون دنیاوی پابند بنانے کے لئے موجود ہے اور دست بدست سزا تیار ہے۔ بہت سی خواہشیں ہیں کہ قانون کی وجہ سے چھوڑ دینی پڑتی ہیں کیونکہ ان پر عمل کرنے سے سزا ہوتی ہے۔

اے مسلمانو! قانون کی وجہ سے تو تم نے خواہش نفسانی کو چھوڑ دیا اور اللہ رسول کے حکم سے نہیں چھوڑتے کیا غضب کی بات ہے۔ اگر قانوناً ممانعت ہو جائے تو ایک بھی حیلہ باقی نہ رہے اور اللہ میاں اگر کسی کام کی ممانعت کریں تو اس میں حیلے نکالے جائیں اور ایسی ایسی تاویلیں کی جائیں کہ تاویل کے مرتبہ سے نکل کر تحریف تک پہونچ جائیں اور اگر بالکل ہی صریح حکم ہو تو اس کا مقابلہ ضرورت سے کیا جاتا ہے کہ حکم تو یہی تھا مگر اب ضرورت ہے۔ قانون کے مقابلے میں یہ ضرورتیں کہاں چلی جاتی ہیں۔ افسوس محبت الٰہی مصلحت دنیوی کے برابر بھی نہ ہوئی۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود
کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود
کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

ایک مردار عورت اگر کہے رات بھر کھڑے رہو تو کر گذریں گے اور اللہ میاں کے حکم سے عشا کی نماز بھی بھاری ہے۔ ایک شخص کا قصہ ہے (۱) (یہ ایک بزرگ ہیں۔ پہلے حالت ایسی ہی تھی بعدہٗ بڑے شخص ہوئے ہیں) ایک عورت سے تعشق تھا بڑی تمناؤں کے بعد ایک دن کہیں شام کو بات کرنے کا موقع مل گیا اور صورت یہ تھی کہ کھڑکی کے نیچے بات کرنے کھڑے ہوئے تھے ایسے محو ہوئے کہ تمام رات اسی طرح گذر گئی عشاء کی نماز بھی فوت ہوئی جب مؤذن نے صبح کی اذان دی تو حضرت کیا کہتے ہیں بھلے مانس تجھے بھی آج ہی عشا کی اذان سویرے کہی رہ گئی تھی کسی نے کہا جناب خبر بھی ہے صبح ہو گئی صبح کی اذان ہے منہ پھیر کر دیکھا تو واقعی صبح ہے دل پر اثر ہو۔ بہت روئے کہ ایک عورت کے خیال میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کا فرض قضا ہوا ایک بزرگ کے ہاتھ پر توبہ کی اور اس خیال کو چھوڑا پھر صاحب کمال ہوئے اور سب ہی کچھ ہوا۔

ایک عورت کی محبت میں یہ حالت ہوتی ہے۔ غور کریں تو آج کل احکام الٰہی کی اتنی بھی تو قدر نہیں جتنی کہ ایک کسی کے احکام کی۔ احکام الٰہی خواہ کیسے ہی سہل ہوں اور سراسر مفید اور حکمت ہی حکمت ہوں مگر شاق ہوتے ہیں اگر کبھی انھیں احکام کو کہے جن کو اللہ میاں نے فرمایا ہے تو کچھ تکلیف نہ رہے بلکہ اگر کبھی ان احکام کو بھی کہے جو اللہ میاں کے خلاف ہیں تب بھی کچھ شاق نہ ہوں معلوم ہوا کہ احکام فی نفسہٖ شاق نہیں صرف محبت کی کسر ہے۔ مسلمان کی شان تو یہ تھی کہ اللہ میاں کے سامنے کالقلم فی ید الکاتب ہوتا اور غیر کے سامنے لوہے اور پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا۔ انصاف کی بات ہے کہ اللہ میاں کی طرف سے بندے پر کس قدر انعام و افضال ہر وقت ہوتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف سے خاک بھی نہیں ملتا پھر اپنے منعم کے سامنے نرم ہونا چاہئے یا آپ جیسے عاجز بلکہ دشمن کے سامنے۔ ظاہر ہے کہ منعم ہی کے سامنے ہونا چاہئے۔

چونکہ برمیخت بہ بندد بستہ باش
چون کشاید چابک و برجستہ باش
ہمچو کلکم درمیانِ اصبعین
نیستم در صف طاعت بین بین

(۱) قصۂ بزرگے۔۱۲

مسلمان کو اللہ میاں کے سامنے ایسا ہونا چاہئے جیسے کاتب کی انگلیوں میں قلم کہ اس کو کچھ عذر نہیں کاتب کو اختیار ہے جس طرف چاہے چلائے۔ اور چلائے یا نہ چلائے۔ کیا غضب ہے کہ اللہ میاں کے ہاتھ میں تو ایسے نہ ہوں اور ہوں کسی کے ہاتھ میں نفس کے۔ بت پرستی کو منع کرتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہر شخص کی بغل میں بت ہے۔ ظاہری بت پرست پر تو طرح طرح کے طعن کئے جاتے ہیں اور ان کو احمق بنایا جاتا ہے اور اپنے آپ باطنی بت پرستی میں مبتلا ہیں اور عقل مندی کا دعویٰ ہے۔ کسی نے ایک بت کو پوجا کسی نے دوسرے کو۔ کیا فرق ہے لات کو پوجنے والے میں اور عزیٰ کو پوجنے والے میں جہاں ظاہری بت پرستی چھوڑی ہے باطنی بھی چھوڑو اپنی باگ نفس کے ہاتھ میں مت دو حق تعالیٰ اپنے منعم حقیقی کے تصرف میں ہمہ تن اپنے آپ کو دے دو احکام الٰہی کے سامنے سر جھکاؤ۔ اتباع تو وہی ہے کہ آدمی اپنے ارادے کو چھوڑ دے اور دوسرے کے ارادے کے تابع ہو جائے دیکھ لیجئے قانون کے سامنے کیا حال ہوتا ہے کہ اپنی خواہش چھوڑنی پڑتی ہے اور حاکم کے حکم کو ماننا پڑتا ہے۔

آپ لوگوں نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم کا اتباع تو بالکل ہی چھوڑ دیا اوروں ہی کا اتباع اختیار کر لیا۔ اور اتباع کرنے کی دو چیزیں تھیں عقائد اور اعمال۔ اعمال میں تو یہ گنجائش نکالی گئی ہے کہ ہم مجبور ہیں اور یہ احکام مصلحت وقت کے موافق نہیں مگر اب عقائد میں خواہش نفسانی کو ترجیح ہونے لگی ہے۔ اعمال کو پہلے ضروری تو سمجھتے تھے مگر تکلیف سمجھ کر ان کے ادا میں قصور کرتے تھے اب ان کی ضرورت ہی ذہن سے اڑ گئی۔ ادائے اعمال کو تو چھوڑا تکلیف کی وجہ سے مگر ان کے وجوب کے عقیدہ میں کیا تکلیف تھی۔ ہاں اس میں بھی ایک تکلیف تھی وہ یہ کہ نفس نے دیکھا کہ اگرچہ میں نے اداء اعمال سے روک دیا مگر تاوقتیکہ ان کے وجوب کا عقیدہ اس کے ذہن میں ہے ممکن ہے کہ پھر کبھی ادا پر مستعد ہو جائے اس وقت پھر مجھے کوئی تدبیر اس کے روکنے کی کرنی پڑے گی اور احتمال ہے کہ روکنے سے نہ رکے اس لئے اس احتمال کے قطع کرنے اور اپنی بار بار کی تکلیف بچانے کے لئے نفس نے یہ تدبیر نکالی کہ سرے سے ان کے وجوب کا عقیدہ ہی اڑا دینا چاہئے۔ عقائد اعمال کے لئے بمنزلہ جڑ کے ہیں جڑ کاٹ دینے سے احتمال ہی نہیں رہتا کہ شاخیں پھر ہری ہوں گی عقائد کے بدلنے سے نفس بہت سی

تکلیفوں سے بچ گیا (۱)۔

ایک صاحب فرمانے لگے کہ دین میں جو کچھ حارج (۲) ہے وہ نماز ہے غیر مذہب کے بہت سے آدمی اس وقت اسلام میں آنے کو تیار ہیں مگر یہ خیال مانع ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد نماز پڑھنی ہوگی پانچ وقت کی پابندی سر پڑے گی اگر مولوی لوگ نماز کی قید اٹھاویں تو آج ہی دیکھئے کتنے مسلمان بنتے ہیں اور مسلمانوں کی جماعت کتنی بڑھ جاتی ہے۔ (نماز ایسی مولویوں کی ہے کہ معاف کر دیں)

ایک صاحب کہتے ہیں کہ سود کی ممانعت سے افلاس آ گیا اور قومیں سود ہی کے ذریعہ سے ترقی کرتی جاتی ہیں غرض جو جس کی سمجھ میں آتا ہے احکام الٰہی میں اصلاح دینے کو تیار ہے گویا اللہ میاں کو یہ بات بتائی جاتی ہے کہ ہم سے رائے لے کر کیوں احکام مقرر نہ کئے تھے کثرت رائے پر کیوں فیصلہ نہ کیا۔ (۳)

ہم لوگ کا کیا حال ہے۔ عقائد میں یہ حال۔ اعمال میں یہ حال صورت میں آزادی۔ آمدنی میں حلال حرام کی خبر نہیں۔ زمین داروں نے طرح طرح کے ناجائز ابواب باندھ رکھے ہیں۔ بیع و شرا میں عقد کے صحت و بطلان کی پروا (۴) نہیں آم کی بہار بکتی ہے حالانکہ آم کا وجود بھی نہیں ہوتا یہ بیع باطل ہے بیع باطل میں مال مشتری کی ملک میں نہیں ہوتا اس کا رد واجب ہے یکے بعد دیگرے جہاں تک سلسلہ چلا جائے کسی کی ملک نہ ہوگا گناہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

غرض معاملات کی صفائی کی طرف اصلاً خیال نہیں۔ زبان غیبت میں مبتلا قلب حرص میں اور طمع میں گرفتار۔ اونٹ سے کسی نے پوچھا اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی کہا کوئی بھی نہیں۔ ایسی ہی ہم لوگوں کی حالت ہے ظاہر کی طرف دیکھئے وہ ٹھیک نہیں باطن کی طرف نظر کیجئے وہ درست نہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے صرف احکام ہی نازل نہیں کئے بلکہ ایک اتنا بڑا نبی بھیج کر یہ بھی بتا دیا کہ اس نمونے کے ہو کر آؤ۔ تعلیم (۵) کا ایک طریقہ یہ ہے کہ شئے کی پیمائش زبانی بتا دی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اتنی

---

(۱) حضرت مولانا نے ان چند فقروں کو نہایت افسوس کے لہجہ میں لفظ توڑ توڑ کر ادا فرمایا ہے۔۱۲
(۲) قول جہاں نماز دین میں حارج ہے۔ (۳) اس فقرہ کو بہت افسوس کے لہجہ سے ادا فرمایا۔۱۲
(۴) بہار آم کی بیع مال۔ (۵) ترغیب درد انگیز۔

لانبی اتنی چوڑی اتنی موٹی بنا کر لاؤ۔اور ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کا ناپ تول بتانے کے ساتھ بنا ہوا نمونہ بھی دکھا دیا جائے کہ آخری صورت ایسی پیدا ہونی چاہئے یہ نہایت ابلغ ہے۔خوشنویس لکھنے والوں کو بتاتا ہے کہ الف تین قط کا لکھواور پر کی نوک ایسی ہو اور نیچے کی ایسی مگر یہ بتانا کافی نہیں ہے لکھنے والوں کو ہرگز الف بنانا نہیں آسکتا تاوقتیکہ استاد اس کی صورت بھی اپنے ہاتھ سے کھینچ کر نہ دکھاوے اگر ہاتھ سے لکھ کر دکھانے کی ضرورت نہ ہوتی تو استاد کے نخرے اٹھانے کی کیا ضرورت رہتی۔ کتابوں میں سب حرفوں کی پیمائش لکھی ہے اسی کو پڑھ کر خوشنویس بن جائے حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے سو احکام تو ظاہر و باطن کی تحدید کا نام ہے۔جس سے ظاہر و باطن کی ایک خاص صورت پیدا ہوتی ہے۔جس طرح کہ تین قط سے الف کے طول کی حد قائم ہو کر اور نصف قط یا کم وبیش سے اس کے عرض کی انتہا مقرر ہو کر ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ممکن تھا کہ اللہ میاں صرف احکام نازل فرمادیتے جو ظاہر و باطن کے ناپ تول ہیں اور یہ فرمادیتے کہ یہ ناپ تول ہیں ان کو پورا پورا درست کرو یہاں تک کہ وہ صورت پیدا ہو جائے جو ہماری مرضی کے موافق ہو اس وقت معلوم ہوتا کہ ہم لوگ کس قدر حرج میں پڑ جاتے اور کیسی کیسی دقتیں پیش آتیں تمام عمر احکام کی پابندی کرتے اور پھر اطمینان نہ ہوتا کہ وہ صورت پیدا ہوگئی جو حق تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے مگر نہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا احکام بھی نازل فرمائے اور محض اپنی رحمت سے نمونہ بھی دکھایا کہ اصلا تردد نہ رہے کہ احکام کی پوری پوری تعمیل ہوگئی یا نہیں اپنی صورت کے نمونے سے ملا کر دیکھ لو ذرا سا بھی فرق ہو تو معلوم ہو جائے گا کہ کسی حکم کی تعمیل میں کسر رہ گئی۔

مگر اس رحمت کی کیا قدر ہوئی ہم کس نمونے کے موافق بن کر آئے اگر درزی کو اچکن سینے کو دو اور وہ ساری اچکن بہت ٹھیک اور خوبصورت بدن کے موافق سیے کہیں جھول تک نہ رہے سلائی کہیں ٹیڑھی نہ ہو غرض سب طرح ٹھیک ہو صرف آستین کو چار انگل چھوٹا کر لائے تو کیا آپ اس کو لے لیں گے اور کیا یہ بات اس کی سن لیں گے کہ جناب ساری اچکن تو ٹھیک ہے آستین بھی دو ہیں۔صرف ایک آستین چار انگل کم رہ گئی تو کیا ڈر ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ اس اچکن کو آپ اس کے سر سے ماریں گے اور اگر اس نے قصداً ایسا کیا ہے تو قیمت واپس لینے پر بھی اکتفا نہ ہوگا کچھ جرمانہ بھی لیا جائے گا حالانکہ

نمونے سے چار انگل مخالفت ہے۔

یہاں نمونے سے چار انگل بھی مطابقت نہیں۔ اللہ میاں کا حکم تھا کہ نمونے کے مطابق ہو۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِي یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ:

افسوس مسلمانوں نے ہر بات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کیا۔ جو وضع بنائی اس کے خلاف وضع تراشی۔ نکاح نیا تراشا اخلاق نئے اختیار کئے اب عقائد میں بھی تراش خراش ہونے لگا اور پھر لطف یہ ہے کہ دعویٰ ہے اتباع کا معلوم نہیں کہ اتباع کسی چیز کا نام ہے۔ اگر کوئی ایسے لوگوں کو دیکھے تو کیا کہہ سکتا ہے کہ یہ قوم اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ میں ہیں۔ گروہ میں ہونے کے لئے کسی بات میں بھی مطابقت نہیں بلکہ جان جان کے مخالفت کی جاتی ہے اس گروہ میں ہونا تو کہاں اب تو اس گروہ کے لوگوں سے ملنا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اس گروہ میں ترقی نہیں ہے ایک شخص نے مجھ سے لکھنؤ (۱) میں بیان کیا کہ آج کمیٹی ہوئی جس میں ان اسباب پر بحث کی گئی جو مسلمانوں کو ترقی سے روک رہے ہیں بہت سے اسباب بیان کئے گئے آخر میں یہ طے ہوا کہ مذہب مانع ہے ترقی سے اس کو چھوڑ دینا چاہئے۔ یہ نوبت پہونچ گئی ہے۔

اس لا متناہی (۲) ترقی ہی نے خرابی ڈالی ہے جو کچھ ڈالی ہے کہیں اس ہوس کی انتہا بھی ہوگی حالانکہ یہ ترقی ہرگز اطاعت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی کیونکہ اطاعت میں کچھ نہ کچھ پابندی ضرور کرنی پڑے گی اور یہ ترقی مطلق العنانی کو چاہتی ہے یہ ترقی وہی حاصل کرسکتا ہے کہ نہ یہ دیکھے کہ روپیہ حق سے آیا نہ یہ دیکھے ناحق سے آیا چوری سے وہ نڈر ہے ظلم سے اسے خوف نہ ہو روپیہ حاصل ہو جس طرح ہو حالانکہ قطع نظر خلاف دین ہونے سے ایسا مال دنیا میں ہی فلاح نہیں دیتا بلکہ جس راہ سے آیا تھا اسی راہ جاتا ہے اس میں برکت مطلق نہیں رشوت کے ہزار اور حلال کے سو برابر نہیں جو غرض ہے روپیہ سے وہ حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ بیان کیا گیا تو اب سوچو اپنے اوپر ایسی چیزیں کیوں لازم کرلیں جن کے لئے کوئی تعداد روپیہ کی کافی نہیں ہوتی اور کسی مرتبہ ترقی پر بس نہیں کیا جاسکتا۔ یہ چیزیں لازم کس نے کیں اسی ہوائے نفس نے۔

(۱) قصہ کمیٹی لکھنؤ۔ (۲) ترقی لا متناہی زمانہ حال۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اسی کا علاج بتلایا ہے۔

(اب میں اس پر بیان کو ختم کرتا ہوں)

غرض سارا فساد خواہش نفسانی سے ہوا ہے سو علاج کیا ہے کہ نفس کو خواہش سے روکو مرض کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے مادہ اور سبب کو قطع کیا جائے جب سبب جاتا رہے گا مرض بھی نہ رہے گا مسلمانو نفسانی خواہشوں کو چھوڑ دو اور حق سبحانہٗ تعالیٰ کی اطاعت کرو کیا اللہ میاں کا کچھ حق نہیں ہے آپ لوگوں پر۔ دیکھئے اللہ میاں ایسے ایسے امراض کا علاج بتاتے ہیں جن کو تم اپنے آپ کسی طرح سمجھ نہ سکتے اور وہ اندر ہی اندر تمہارا کام تمام کر ڈالتے۔ تعجب ہے کہ طب اکبر کی قدر ہو مگر احکام الٰہی کی قدر نہ ہو جانتے ہو کہ طب اکبر کے خلاف کریں گے تو صحت محفوظ نہ رہے گی اور مرض گھیر لے گا۔ صاحبو طب اکبر پر عمل نہ کرنے سے صحت جسمانی میں خرابی آتی ہے اور احکام الٰہی پر عمل نہ کرنے سے قلبی اور روحانی صحت برباد ہوتی ہے پھر جو شرف قلب اور روح کو جسم پر ہے وہی اس کی صحت کو اس کی صحت پر اور اس کے محافظ کو اس کے محافظ پر ہونا چاہئے اس سے سمجھ لیجئے کہ احکام الٰہی کی کیا عظمت ہونی چاہئے اور اللہ میاں کا بتایا ہوا علاج کس قدر قابل قدر چیز ہے وہ علاج یہی ہوائے نفس کا چھوڑنا ہے اس کا آسان طریقہ میں بتائے دیتا ہوں چند روز کرنا پڑے گا بہت ہی تھوڑے دنوں میں انشاء اللہ نفع ہوگا حاصل اس کا یہ ہے کہ ہر کام ابتداء تکلیف سے ہوتا ہے پھر کرتے کرتے اس میں ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے سو اب اس کا التزام (۱) کر لیجئے کہ کوئی قول کوئی فعل معادل میں آتے ہی نہ کر ڈالا کیجئے کہ وہ خواہش نفس کے موافق ہوگا بلکہ ہر کام سے پہلے ذرا سوچنا چاہئے اس کی عادت ڈالنی چاہئے کہ جو کام کیا جائے پہلے سوچ لیا جائے کہ یہ کام حق تعالیٰ کے خلاف تو نہیں یہ میرے لئے مفید ہے یا مضر بے دھڑک ہو کر کام کرنے کی عادت بالکل چھوڑ دی جائے۔ اول اول یہ ذرا شاق ہوگا مگر تھوڑے دنوں میں عادت ہو جائے گی۔ اس کا ہر کام میں خیال رکھو یہ حالت ہو جائے کہ بات منہ سے نکالنی ہے مگر رک گئے کہ حق تعالیٰ کا امر کیا ہے اور نفس کی خواہش کیا جس بات میں نفس کی خواہش پائی جائے اس کو زبان سے نہ نکالا نہ اس پر عمل کیا۔

---

(۱) علاج ہوائے نفسانی۔

رہی یہ بات کہ تمیز کیونکر ہو حق تعالیٰ کے امر اور نفس کی خواہش میں سو اس کے لئے علم دین کی ضرورت ہے تھوڑا علم ضرور چاہئے کتاب نہیں پڑھ سکتے ہو تو کسی سے پوچھ لو۔ چند روز یہی عادت ڈالو گے اس سے کسی قدر آپ کے بولنے میں کمی ہوگی اور کسی قدر آپ کے کھانے میں کمی ہوگی مگر جس وقت لذت اس کی حاصل ہوگی تو آپ اس تھوڑے کو بہت پر ترجیح دیں گے۔ تھوڑی چیز ہو اور اچھی ہو وہ بہتر ہے اس سے کہ بری ہو اور بہت غلیظ کتنا ہی ہو ایک چمچہ فیرینی پر اس کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔ جب طاعت میں کسی کو لذت آنے لگتی ہے تو معصیت کی حقارت اس کے ذہن میں بیٹھ جاتی ہے پھر معصیت کا کرنا اس سے زیادہ دشوار ہونے لگتا ہے جتنا کہ پہلے طاعت کا کرنا تھا (مسلمان پر طاعت کے کرنے میں عادی ہونے سے پہلے بھی جو بار ہوتا ہے وہ ایک کلفت ہوتی ہے کہ نیا کام کرنے میں محسوس ہوتی ہے جیسا کہ دیگر امور عادیہ میں کچھ تغیر ہونے سے معلوم ہونے لگا کرتی ہے ورنہ طاعت کو کر کے تو مسلمان کو ہمیشہ نشاط اور فرحت ہی ہوتی ہے) عادی ہو جانے کے بعد تو معصیت سے نفرت ہو جاتی ہے اور اگر احیاناً معصیت ہو بھی گئی تو طبیعت سست رہتی ہے اور کسی طرح چین نہیں آتا تاوقتیکہ استغفار نہ کر لے۔ طاعت میں عجب لذت ہے کہ آدمی لاکھ روپیہ پر ایک نماز کو ترجیح دیتا ہے کوئی بات تو ہے کہ اگر مسلمان سے کہیں کہ لاکھ روپیہ لے لے اور آج ظہر کی نماز نہ پڑھ تو روپیہ نہ لے گا اور ظہر پڑھے گا ضرور کوئی ایسی چیز پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ سے زیادہ ہے حالانکہ ہماری نماز کچھ نماز نہیں اول سے اخیر تک کوئی رکن بھی قابل اعتبار نہیں نیت نماز کی باندھ رکھی ہے اور دل ادھر اُدھر ہے زبان سے قراءت کر رہے ہیں مگر مطلق خبر نہیں کہ اللہ میاں سے کیا کہہ رہے ہیں خیریت یہ ہے کہ زبان الفاظ پر حاوی ہو گئی ہے آپ ہی آپ قراءت کر لیتی ہے ورنہ باعتبار احکام ظاہری بھی عدم صحت کا فتویٰ دیا جاتا اور اعادہ واجب ہوتا سر سجدہ میں ہے مگر خیال اور ہی کہیں ہے اس حالت پر بھی آدمی لاکھ روپیہ سے زیادہ کوئی چیز اس میں پاتا ہے کہ لاکھ روپیہ پر اس کو ترجیح دیتا ہے نماز نماز ہو جائے تو اندازہ کر لیجئے کہ کیا اثر رکھے۔

جرعہ خاک آمیز چون مجنون کند
صاف گر باشد ندانم چون کند

واقعی طاعت وہ چیز ہے کہ اگر اس میں ایک لحظے کا لطف بھی میسر ہو جائے تو آدمی دنیا و مافیہا کی طرف بھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے خواہش نفسانی کا تو دشمن ہی ہو جائے نفس کے پھندے میں آدمی جب ہی تک آجاتا ہے جب تک کہ اطاعت کی لذت سے واقف نہیں ہوا۔ عادت ڈالئے پھر لذت آنے لگے گی اور کچھ کلفت نہ رہے گی ابتدا میں کسی قدر کلفت ضرور ہوتی ہے۔

غرض یہ عادت ڈالنی چاہئے کہ ہر کام کو سوچ کر کرے اگر وہ کام خواہش نفس سے ہو تو کیا اس طرح معصیت چھوٹ جائے گی اور طاعت ہی طاعت رہ جائے گی اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ترک ہوائے نفس (۱) کے لئے معین ہے خوف اور یہ ظاہر بھی ہے جس کام سے بھی کوئی باز رہتا ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف خوف سے باز رہتا ہے جسمانی سزا کا خوف ہو یا مال کے نقصان کا یا ہم چشموں میں سبکی کا یا جس چیز کا بھی ہو مگر ہوگا خوف ہی۔ ڈاکو ڈاکہ کیوں نہیں ڈالتا سزا کے خوف سے۔ بچہ شرارت سے کیسے رکتا ہے پٹنے کے خوف سے۔ بہت سے جرائم سے لوگ باز رہتے ہیں جرمانہ کے خوف سے محفل میں آدمی تہذیب سے کیوں بیٹھتا ہے اور خلاف متانت حرکات سے کیوں باز رہتا ہے سبکی کے خوف سے وعلی ہذا۔ خوف ہی تو اٹھ جاتا ہے جو ملک میں امن قائم نہیں رہتا اور غدر ہو جاتا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے خوف ہی ہے کہ جملہ طاعات کا ذریعہ ہے۔ البتہ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ خوف تو ہر مؤمن کو ہے پھر کیا وجہ کہ ہوائے نفسانی نہیں چھوٹتی وجہ اس کی یہ ہے کہ خوف کا استحضار نہیں اور استحضار نہ ہونے کی وجہ صرف ایک ہے عذاب کا نہ سوچنا پس منتہائے معالجہ یہ سوچنا ہوا اس سے خوف کا غلبہ و استحضار (۲) ہوگا۔ جو ترک ہوا کے لئے کافی ہو جاوے گا اب صرف اس کا طریق سہل بتائے دیتا ہوں کہ سوچنا شروع کیجئے اور اس کے لئے ایک وقت مقرر کیجئے مثلاً سونے کا وقت اس وقت آپ کے کسی دنیا کے کام میں بھی حرج نہ ہوگا۔ دنیا کے لئے تو سارا وقت دیا ہے اللہ میاں کے لئے نکما ہی وقت دو۔ اللہ میاں اس میں تمہارا کام بنا دیں گے وہاں تو بہانہ ڈھونڈھتے ہیں کہ بندہ ذرا ادھر کو منہ کرے اور رحمت کے انبار اس پر بکھیر دیں۔ پندرہ بیس منٹ دیر میں سوئے لیٹ کر یا بیٹھ کر یاد

(۱) خوف مانع ہوائے نفس ہے۔ (۲) استحضار خوف کی تدبیر۔۱۲

کیجئے کہ آج کیا کیا (۱) گناہ کئے فہرست گناہ تیار کیجئے پھر دل میں خیال جمایئے کہ گویا میدان قیامت موجود ہے اور میزان کھڑی ہے اپنا مددگار کوئی بھی نہیں دشمن بہتیرے حیلہ کوئی چل نہیں سکتا زمین گرم تانبے کی طرح کھول رہی ہے آفتاب سر پر دوزخ سامنے ہے اوران گناہوں کا حساب ہو رہا ہے کوئی جواب معقول بن نہیں پڑتا یہ سب حالات پیش نظر ہوں گے تو بے اختیار ہاتھ جوڑ کر حاکم کے روبرو معذرت کرے گا کہ بے شک خطا وار ہوں کہیں ٹھکانہ نہیں اگر کچھ سہارا ہے تو صرف حضور کے رحم کا اسی کو استغفار کہتے ہیں رات کو یہ کیجئے پھر صبح اٹھ کر یاد رکھئے کہ کل فلاں فلاں گناہ کئے تھے اور رات ان سے استغفار اور عہد کیا ہے سو آج وہ گناہ نہ ہونے پائیں۔ اس سے اگر اسی دن تمام گناہ یک لخت نہ چھوٹ جائیں گے تو کمی تو ہو ہی جائے گی اور چند روز میں تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ گناہ رہ سکیں۔ یہ ایسی تدبیر ہے کہ چند ہی روز کے کرنے سے آدمی معاصی سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے اور دل میں گناہ کے وقت خود ایک ہراس پیدا ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے علم کی ضرورت ہوگی کہ معلوم ہو یہ کام معصیت ہے اور یہ طاعت سو علم دین حاصل کیجئے اور اگر کم فرصتی (۲) کا عذر ہے تو چند کتابیں اردو میں منتخب کر دی گئی ہیں ان کو کسی سمجھدار سے سبقاً سبقاً پڑھ لیجئے رفع ضرورت کے لئے کافی ہیں۔ کتابوں کو خود نہ پڑھئے کہ اس سے طبیعت میں پہلے سے جو اشکال ہوتے ہیں وہ حل نہیں ہوتے بلکہ بسا اوقات نئے اشکال پیدا ہو جاتے ہیں اور باعث مضرت ہوتے ہیں حاصل سارے وعظ کا یہ ہوا (۳) کہ جنت مطلوب ہے اور اس کا ذریعہ ہے ترک ہوا اور اس کا معین ہے خوف اور اس کا طریق ہے مراقبہ جب مراقبہ کیا خوف پیدا ہوا اس سے خواہش نفسانی چھوٹ گئی اس پر نتیجہ مرتب ہوا فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى اب دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فہم اور عمل کی توفیق عطا فرماویں۔

---

(۱) محاسبۂ نفس و مراقبہ۔
(۲) کم فرصتی میں علم دین کی تدبیر۔
(۳) حاصل تمام وعظ۔

اشرف المواعظ حصہ سوم

تجارت و آخرت

(طاعات بدنیہ ومالیہ)

{ مقام وعظ، جامع مسجد سہارنپور بتاریخ ۷ اربیع الاول ۱۳۳۰ھ }

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا!

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَ مِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِی اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعۡدُ فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَھُمۡ وَاَمۡوَالَھُمۡ بِاَنَّ لَھُمُ الۡجَنَّۃَ۔

یہ ایک بڑی آیت کا ٹکڑا ہے اس میں خداوند تعالیٰ نے مجملاً ان تمام وظائف ضروریہ کو جو بندے کے ذمہ ضروری ہیں بہت مختصر لفظوں میں ذکر فرمایا ہے اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہم لوگوں میں منجملہ بہت سی کوتاہیوں کے ایک کوتاہی وہ بھی ہے جس کی اصلاح کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ ہم لوگوں میں بہت سے کوتاہیاں ہیں۔ بہت سی باتوں میں اہل اسلام مرکز اسلام سے ہٹے ہوئے اور اپنی مخترعہ من سمجھوتیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور اہل اسلام کی تخصیص میں قید احترازی نہیں یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ کوتاہیاں صرف اہل اسلام ہی میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں۔ جیسا کہ بعض اہل مذاق جدید کا یہ خیال ہے اسی لئے وہ جس وقت اہل اسلام کی مذمت کرتے ہیں۔ تو دوسری قوموں کی مدح کرتے ہیں کہ فلاں قوم میں فلانی صفت نہایت اچھی ہے مگر مسلمانوں میں نہیں ہے اور اس میں بعض تو وہ

مدائح ہیں کہ وہ نفسہٖ مدح کے قابل ہیں۔ نیز ان کے ذکر کرنے سے مسلمانوں کو غیرت دلانا مقصود ہوتی ہے کہ جن لوگون سے دین کا تعلق بھی نہیں ان میں تو یہ مدائح موجود ہیں اور جن لوگوں میں بوجہ دین کے ہونا چاہیئے وہ بالکل معرّا ہیں۔ اس کا تو مضائقہ نہیں۔ قابل افسوس تو یہ امر ہے کہ یا تو غیر قوموں کی وہ صفات بیان کی جاتی ہے کہ جو واقع میں قابل مدح ہی نہیں ہیں یا اگر قابل مدح ہیں تو ان سے مقصود صرف (۱) مسلمانوں پر طعن اور ان کا دل توڑنا اور عیب کھولنا ہوتا ہے یہ امر مسلمانوں کے لئے سخت محل شکایت ہے اور اگر واقعات کا مشاہدہ کیا جاوے تو اس کا ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ واقعی اکثر اہل اسلام کا یہ شیوہ ہوگیا ہے ہر عاقل آدمی کو قرائن سے ان کے لب ولہجہ سے اس نفرت سے جو کہ ایسے لوگوں کو مسلمانوں سے ہے۔ ان سب کے مجموعہ سے اس کا اخذ کرلینا بعید نہیں کہ ان لوگوں کا مقصود محض اہانت ہوتی ہے مسلمانوں کی۔ پھر لطف یہ کہ جن مدائح کی مسلمانوں سے (۲) نفی کی جاتی ہے وہ واقع میں مدائح بھی نہیں۔ یعنی شریعتِ مطہرہ کے نزدیک مطلوب نہیں ہیں۔ اگرچہ دنیا میں کسی درجہ میں مطلوب ہوں لیکن مسلمان من حیث المسلمان کے منہ سے ان مدائح کا نکلنا بالکل ایسا ہے کہ جیسے کوئی شخص ہاتھی کی یہ تعریف کرنے لگے کہ وہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ اگر اس کو وزن کیا جاوے تو پچاس من کا اترے کہ یہ صفت اگرچہ واقعی صفت ہے۔ لیکن اس کو تہذیب نفس اور قابل مدح ہونے میں کچھ دخل نہیں بس اسی قسم کے وہ مدائح ہیں کہ جن کو آج کل مدائح سمجھا جاتا ہے اگرچہ ان میں کسی درجہ میں منفعت ضرور ہے جیسے ہاتھی کے اس قدر وزنی ہونے میں کیونکہ حکیم مطلق نے ہاتھی کو اتنا بڑا جثہ بلاوجہ نہیں عطا فرمایا۔ لیکن حکیم مطلق نے اس کو کمال قابل مدح نہیں ٹھہرایا چنانچہ ان ہی مخترعہ مدائح میں ایک مدح ترقی کرنا بھی ہے کہ اس کو بہت بڑی مدح سمجھا جاتا ہے۔ علیٰ ہذا خودداری وغیرہ سو غور کرکے دیکھ لیجئے کہ شریعت نے ان کو مدح کے قابل سمجھا ہے یا نہیں ترقی نہایت خوبصورت لفظ ہے۔ لیکن اس وقت اس کا ماحصل محض طول امل وحرص ہے۔ جس کی شریعت مطہرہ نے جڑ کاٹ دی ہے۔ صحابہؓ کرام کو جو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے

---

(۱) نئی روشنی والوں کی تردید کفار کی مدح اور مسلمانوں پر طعن کے باب میں۔

(۲) جو مدائح مسلمانوں سے نفی کی جاتی ہیں اور غیر اقوام میں ثابت کی جاتی ہیں وہ شرعاً مطلوب نہیں ہے ۱۲۔

نمونے تھے انھوں نے اس کو اپنے خیال میں کبھی جگہ نہیں دی جناب رسولؐ نے کبھی اس کی تعلیم نہیں فرمائی۔ حضور کی سیرت جس کا ایک ایک واقعہ احادیث میں مدون ہے اس کو دیکھا جائے ابتداء سے انتہا تک کہیں بھی آپ کو یہ تعلیم نہ ملے گی۔ رہے تاریخی واقعات سوان کا یہ حکم ہے کہ اگر وہ احادیث سے مطابق ہوں تو قابل اخذ ہیں ورنہ ہیچ محض کیونکہ مؤرخین میں یہ برا مرض ہے کہ وہ واقعات میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں۔ پھر اس رائے کو بصورت واقعہ بیان کرتے ہیں۔ زمانۂ حال کے بعض خودرو مصنفین پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ انھوں نے واقعات میں اپنی رائے کو شامل کیا ہے۔ لیکن جو شخص محدثین کے حالات سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمۃ نے کس تدین سے کام لیا ہے البتہ یہ اعتراض مطابق واقع کے مؤرخین پر ضرور ہوسکتا ہے۔ صاحبو! محدثین (۱) کا تدین اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ اگر ایک باب کی حدیث سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض صوری بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی حدیث پیش کردیتے ہیں پس معلوم ہوا کہ ان حضرات کا مقصود محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اس پر زور دینا کیونکہ جب ایک حدیث کے ساتھ دوسری حدیث جو اس پہلی سے صورۃً معارض ہے موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی تو بصورت ایراد معارض کوئی خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہوسکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود تمام احادیث کا لوگوں کے سامنے پیش کردینا ہے کہ دیکھیں اور خوب سمجھ لیں۔ ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیال کے مؤیدات کو پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تفاوت ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اس کے مقابل تاریخ قابل وثوق نہ ہوئی تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی وہ محض ہیچ ہیں، ہرگز قابلِ قبول نہیں۔ غرض حدیث کو دیکھئے تو اس سے معلوم ہوگا کہ آپ کا طرز زندگی کیا تھا اور وہی طرز بعینہٖ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم

(۱) روایت میں محدثین کی احتیاط۔

اجمعین کا تھا تو صحابہؓ کے یہاں طول ہوس اور طول امل کا نشان نہیں تھا ان کی ترقی ترقی دین (۱) تھی۔ اگر چہ اس کے تابع ہو کر ان حضرات کو دنیا کی بھی وہ ترقی حاصل ہوئی کہ آج لوگوں کو خواب میں نصیب نہیں لیکن مطمح نظر صرف ترقی دین تھی۔ چنانچہ ان حضرات کی اس شان کو خدا تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ یعنی یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دے دیں تو یہ لوگ اس وقت بھی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھی باتوں کی ترغیب دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ یہ ہے ان کے خیالات کا نقشہ جس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ اب ان کو یاد رکھئے اور پھر ان کے ساتھ اپنے خیالات کو دیکھئے اور انطباق کیجئے واللہ ایسا دشوار انطباق ہے جیسے خط مستقیم پر خط منحنی کو منطبق کرنے لگیں کہ جب تک اس میں استقامت اور اس میں انحناء باقی رہے گا۔ کبھی انطباق ممکن ہی نہیں تو ہمارے خیالات (۲) خط منحنی کی طرح ہیں اور ان حضرات کے خیالات کی مثال خط مستقیم ہے بحمد اللہ یہ مثال ایک خاص اعتبار سے بھی بہت ہی اچھی خیال میں آئی کیونکہ خط منحنی کے انطباق علی المستقیم کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعض اجزاء تو خط مستقیم پر سے گذرے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض اجزاء اس سے ہٹے ہوئے یہی حالت ان خیالات مخترعہ کی ہے کہ ان میں اگر ایک قدم شریعت پر ہے تو دوسرا اس سے بالکل الگ جس کا کسی تاویل سے بھی جادۂ شریعت پر انطباق نہیں ہو سکتا پس ایسے حالات و خیالات کس طرح قابل مدح ہو سکتے ہیں۔ غرض جن مدائح کی آج کل لوگ علی العموم مسلمانوں سے نفی کرتے ہیں وہ مدائح واقع میں اس مسلک میں داخل ہونے کی قابلیت ہی نہیں رکھتے اور اگر بعض باتیں قابل مدح ہوں بھی جیسے ہمدردی اور ایثار وغیرہ تب بھی ان کے نفی کرنے سے مقصود محض مسلمانوں کی تذلیل ہوتی ہے۔ دلسوزی یا ہمدردی ہرگز مقصود نہیں ہوتی کیونکہ اگر ہمدردی ہوتی تو دوسری باتوں میں بھی تو انکے ساتھ ہمدردی ہوتی حالانکہ میں اس وقت ان ہی طاعنین میں بہت سے ایسے لوگ دیکھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط کو بھی گوارہ نہیں کرتے۔ مسلمانوں کا سلام لینا بھی ان کو پسند نہیں اور جب یہ حالت

---

(۱) ترقی دین صحابہ کے مطمح نظر تھا۔ (۲) ترقی خواہوں اور صحابہ کے خیالات کی ایک عجیب مثال۔

ہے تو کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان کو مسلمانوں سے ہمدردی ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لئے اس کو بھی مان لیا جاوے۔ تب بھی اس خاص سبب سے جو مذکور ہوا ہرگز ممکن نہیں کہ ان کی ذات سے عام مسلمانوں کو کسی قسم کی بہبودی یا نفع پہونچ سکے۔ (۱) بدیہی بات ہے کہ طبیب اس وقت مریض کو نفع پہونچا سکتا ہے کہ جب مریض کے پاس آوے نبض دیکھے قارورہ دیکھے۔ تسلی دل جوئی کرے اور اگر ایسا نہ کرے بلکہ دور ہی سے محض صورت دیکھ کر الٹا سیدھا نسخہ تجویز کر دے تو کوئی عقل مند باور نہ کرے گا کہ یہ طبیب اس مریض کو اس کے مرض سے نجات پانے کا سبب بن سکتا ہے اور وہ مریض اس کے علاج سے تندرست ہو سکتا ہے۔ دیکھ لیجئے طاعون کے زمانے میں جو طبیب مریضوں سے دور رہتے ہیں ان کی ذات سے کیا کسی مریض کو فائدہ پہونچتا ہے۔ کسی ایک کو بھی نہیں۔ ہاں اس طبیب سے ضرور فائدہ پہونچتا ہے جو مریض کے مرض کو اپنا مرض سمجھ کر اس کے ساتھ بالکل گھل مل جاوے مجھ سے ایک طبیب نے بیان کیا کہ ایک زمانہ میں جب ان کے قصبہ میں مرض طاعون پھیلا تو ۶۳ مریض ان کے زیر علاج رہے جن میں سے ۵۳ تندرست ہو گئے اور دس مریض انتقال کر گئے۔ کہتے تھے کہ ان ۶۳ میں ایک مریض ایسا بھی تھا کہ جب اس کی نبض کو میں نے دیکھا تو شدت حرارت کی وجہ سے میری انگلی پر چھالا پڑ گیا۔ لیکن پھر بھی اس کی تدابیر میں مصروف رہے۔ غرض جو طبیب مرض سے نفرت کرے گا وہ مریض کو فائدہ نہیں پہونچا سکتا۔ آج دیکھ لیجئے کہ ان مدعیان طبابت اخلاق کا کیا برتاؤ قوم اور اس کے ساتھ ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ اپنے (۲) ساتھ بھی ان کو ہمدردی نہیں اور اپنے امراض کے علاج پر بھی توجہ نہیں۔ اور یہی سبب ہے قوم سے ہمدردی نہ کرنے کا کیونکہ طبعاً اپنا خیر خواہ انسان زیادہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کی جو خیر خواہی کرتا ہے اس میں اپنی خیر خواہی مضمر ہوتی ہے پس جو شخص اپنا ہمدرد نہ ہوگا وہ دوسروں کا کیسے ہمدرد ہوگا۔ یہ لوگ اول تو اپنی اصلاح کریں پھر دوسروں کی اصلاح حقیقی کی فکر کریں۔ آج یہ حالت ہے کہ اظہار ہمدردی اسلام میں بڑے بڑے جلسے ہوتے ہیں انجمنیں (۳) قائم ہوتی ہیں مگر نہ نماز کی فکر ہے، نہ

(۱) ہمدردان قوم سے مسلمانوں کو کچھ نفع نہیں۔۱۲ (۲) ہمدردان قوم کو اپنے ساتھ بھی ہمدردی نہیں۔۱۲

(۳) ہمدردان کی انجمنیں وجلسے شہرت وجاہ کی غرض سے ہیں۔۱۲

روزے کا خیال ہے۔ مال کی اتنی افراط ہے کہ دس آدمیوں کو اور بھی ساتھ لے جاسکیں لیکن اسلام کا یہ عالم ہے کہ خود بھی حج کرنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ وضع کو دیکھئے تو سر سے پاؤں تک اسلام کے بالکل خلاف۔ گفتگو دیکھئے تو وہ مذہب سے بالکل جدا تو جب ان کو اپنے امراض کے ازالہ کی فکر نہیں تو پھر دوسروں کے امراض کے ساتھ ان کو کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کی ایک رسم ہوتی ہے اہل زمانہ اسی پر چلنے لگتے ہیں۔ آج کل یہ رسم ہے کہ ہر مشہور یا غیر مشہور تحصیل شہرت یا تکمیل شہرت کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ذرائع بہم پہونچاتا ہے منجملہ ان ذرائع کے ایک یہ بھی ہے کہ انجمنیں قائم کی جائیں اور جلسے کئے جائیں کوئی ان انجمنوں کا گورنر ہو جائے کوئی سکریٹری کوئی کچھ کوئی کچھ اور اس سے عام وخاص کا ان کو ایک امتیاز ہو جاوے۔ پھر رسم بھی اگر شریعت پر منطبق ہوتی تو بھی نفع سے خالی نہ ہوتی کیونکہ وہ اس انطباق کی برکت سے ایک دن مبدل بہ حقیقت ہوسکتی تھی اور جب ظاہری انطباق علی الشریعۃ بھی نہ ہو تو سراسر مضر اور رسم قاتل ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ حکماء امت نے عوام الناس سے صرف اس قدر کو کافی سمجھا ہے کہ وہ اپنی صورت ظاہری شریعت کے موافق بنالیں اور صورت عبادت کے پابند ہو جاویں کیونکہ وہ حضرات جانتے ہیں کہ یہ صورت ہی انشاء اللہ ایک دن مبدل بحقیقت ہو جاوے گی۔ چنانچہ ہمارے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبادت میں ریا بھی ہو تو اس کو کئے جاؤ کیونکہ ریا ہمیشہ ریا نہیں رہتا چند روز میں عادت ہو جاتی ہے پھر عادت سے عبادت ہو جاتی ہے پھر وہ ذریعۂ قرب بن جاتی ہے اس کو مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

از صفت وزنام چہ زاید خیال
واں خیالت ہست دلالِ وصال

یعنی اسم سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ خیال ہی رہبر ہو جاتا ہے وصال کی طرف مگر یہ اسی وقت ہے جب کہ صورت شریعت پر منطبق ہو ورنہ اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر اصلاح کی کوئی سبیل نہیں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ اگر رسم ہوتی اور شریعت پر منطبق ہوتی تو اس کے مبدل بحقیقت ہو جانے کی امید تھی مگر انطباق ہوتا کیونکر اس لئے کا انطباق کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ شریعت کی وقعت دل میں ہو اور یہاں وہی ندارد ہے۔

آج کل کے عقلاء شریعت مطہرہ کو مولویوں کے خیالات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اوران پر اعتراض (۱) کرتے ہیں لیکن ہم کو غنیمت سمجھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ان لوگوں نے اعتراض سے بچالیا اگرچہ واقع میں اثر اس قول کا آپ ہی پر ہوگا لیکن تاہم مورد عتاب تو صرف مولویوں کو بنایا ہم اس کے بھی شکر گذار ہیں۔ مگر ان معترضین کو یہ ضرور سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت ان کے اعتراضات کا اثر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی پر پڑتا ہے کیونکہ ضرب الغلام اھانة المولیٰ یعنی اگر کوئی شخص کسی کے غلام کو مارے اگرچہ اس نے بظاہر آقا کو کچھ نہیں کہا مگر واقع میں یہ آقا کی بھی اہانت ہوگئی کیونکہ آقا اور غلام میں اس قدر تغائر نہیں ہے جس قدر یہ شخص سمجھ رہا ہے بلکہ اس میں تغائر ہے جیسا کہ احول (۲) کے مرئیات میں ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ کسی استاد نے اپنے شاگرد کو کہا فلاں طاق میں ایک بوتل رکھی ہے وہ اٹھا کر لے آؤ شاگرد چونکہ احول تھا وہاں جو پہنچا تو ایک بوتل کی دو نظر آئیں۔ استاد سے کہنے لگا کہ یہاں دو بوتلیں رکھی ہیں ان میں سے کونسی لاؤں استاد نے کہا کہ دو نہیں بلکہ ایک ہی کہنے لگا کہ میں خود مشاہدہ کررہا ہوں آپ میرے اس مشاہدہ کی تکذیب کرتے ہیں اس پر استاد نے غضبناک ہوکر کہا کہ ایک بوتل توڑ دو اور دوسری میرے پاس لے آؤ شاگرد نے ایک بوتل کو توڑا تو وہ دونوں ٹوٹ گئیں۔ کہنے لگا کہ اب تو یہاں ایک بھی نہیں رہی مولانا نے اس قصہ کو کلام مجید کی اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ تو ایک کی تکذیب کرنے سے سب رسولوں کی تکذیب ہوتی ہے اوراس سے خدا تعالیٰ کی تکذیب بھی ہوجاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نائب کی تکذیب منیب تکذیب ہوجاتی ہے لہٰذا علماء کی تکذیب سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب ہوگی اوراس سے خدائے تعالیٰ کی تکذیب ہوگی مگر لوگ اس پر بالکل نظر نہیں کرتے بلکہ بے دھڑک علماء پر اعتراض کردیتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ آج کل کے جلسے اورانجمنیں بالکل رسم بلا معنیٰ ہیں اور صورت بھی ٹھیک نہیں اور لوگوں نے ان کو محض رسم سمجھ کر اختیار کیا ہے۔ نفع پہونچانا ہرگز مقصود نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا کہ یہ جب اپنا ہی دین برباد

---

(۱) علماء پر اعتراض درحقیقت حضور نبیؐ پر اعتراض ہے۔۱۲ (۲) احول دو بین کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جس کو ایک چیز دو نظر آئے اردو میں اس کو بھنگا کہتے ہیں۔۱۲

کر رہے ہیں تو دوسروں کو دینی نفع پہونچانے کا کب قصد کر سکتے ہیں۔ اور اگر کہئے کہ یہ ایثار ہے کہ اپنے دین سے دوسروں کے دین کو مقدم کر رکھا ہے اس لئے باوجود اپنے دین کے قائم نہ کرنے کے دوسروں کے دین کی درستی کرتے ہیں تو سمجھو کہ ایثار (۱) کی اجازت دنیاوی منافع میں ہے دینی منافع میں نہیں یعنی اگر ہمارا کوئی دنیاوی نفع فوت ہو کر دوسرے کا نفع ہو جائے تو اس کو ایثار کہیں گے اور اگر ہمارا دین تباہ ہو کر دوسروں کو نفع پہونچے تو یہ ایثار نہیں کہلائے گا۔ ورنہ اگر دین تباہ کر کے بھی ایثار رہوتا تو باغی سب سے زیادہ صاحب ایثار ہونے چاہئیں اور ان کو سب سے زیادہ خیر خواہ سرکار کہنا چاہئے کیونکہ ان میں اتنی بڑی ہمدردی وایثار ہے کہ انہوں نے اپنی جان بھی دے دی اور تمام منافع جو اطاعت سے ان کو پہونچتے وہ دوسری رعایا کے لئے چھوڑ دیئے۔ صاحبو! یہ وہی ایثار ہے جو فرعون میں تھا۔ دین چھوڑ کر دنیا پر قناعت کی۔ اس کی ایک حکایت ہے کہ مصر کی زراعت کا مدار رود نیل کے جوش پر تھا۔ ایک سال اس کو جوش نہیں ہوا لوگ فرعون کے پاس آئے اور کہا کہ تو مدعی الوہیت ہے ہم لوگ قحط سے مرے جاتے ہیں یہ تیری الوہیت کب کام آئے گی اس نے کہا کہ کل رود نیل کو جوش ہوگا۔ رات کو دعا کی کہ اے اللہ اگرچہ میں اس قابل تو نہیں ہوں کہ میری کوئی معروض قبول ہو لیکن میری ہمت تو دیکھئے میں نے آپ کو چھوڑا جنت کو چھوڑا ابدالآباد کے عذاب کو گوارا کیا۔ ان سب کے بدلے صرف ایک التجا کرتا ہوں کہ میری یہ دعا (۲) قبول فرما لیجئے کہ جب میں رودِ نیل کو حکم دوں تو اس کو جوش ہو جائے چنانچہ اس کی یہ دعا قبول ہوگئی اور ایسا ہی ہوا۔ اور اس دعا کی قبولیت سے کوئی اپنے دل میں شبہ نہ کرے کہ اس کافر ملعون کی دعا کیوں کر قبول ہوگئی بات یہ ہے خداوند تعالیٰ سب کی سنتے ہیں حتی کی شیطان جو کہ سب سے زیادہ معلون ہے اس کی درخواست بھی قبول ہوگئی اور پھر درخواست بھی خاص عتاب کے وقت کی کہ علی العموم اس وقت کی درخواست پوری نہیں ہوتی اور درخواست بھی ایسی عجیب جو کسی نے آج تک نہ کی تھی اور نہ وہ ظاہراً منظوری کے قابل تھی کہ اَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ گویا (۳) خداوند تعالیٰ کی طرف سے تو یہ عتاب کہ

---

(۱) ایثار کی اجازت دنیاوی منافع میں ہے دینی میں نہیں۔ ۱۲ (۲) کافر کی بھی دعا اور درخواست بعض مرتبہ قبول ہوتی ہے۔ (۳) نکات آیات انظرالی یوم یبعثون۔

اِنَّ عَلَيۡكَ لَعۡنَتِيۡٓ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ اور شیطان کی طرف سے یہ درخواست کہ اَنۡظِرۡنِيۡٓ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ. تو جب اس کی ایسی عجیب درخواست ایسے عجیب وقت میں قبول ہوگئی تو فرعون کی درخواست قبول ہونے میں کیا استبعاد ہوسکتا ہے شیطان کے اس واقعہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو اس کی بے حیائی کہ جوتیاں سر پر پڑ رہی ہیں اور اس کو درخواست کرنے کی سوجھ رہی ہے۔ دسرا اس کا وثوق کہ باوجود اس حالت کے بھی اس کو پورا یقین تھا کہ ضرور درخواست قبول ہوگی۔ تیسرے خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم کہ درخواست کے ساتھ ہی اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ارشاد ہوا اور جب دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو دوستوں کو کب محروم کیا جاسکتا ہے ؎

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

یہ قصہ مسلمانوں کے لیے بڑی خوشی کا ہے کہ جب اس بارگاہ میں دشمن کی دعا قبول ہوئی تو ہماری دعا کیوں قبول نہ ہوگی مگر یہ ضرور ہے کہ شیطان کے برابر اڑیل ہوجاویں۔ غرض جیسی فرعون کی ہمت تھی ویسی آج کل کے ایثار والوں کی ہمت بھی ہے۔ اور اگر فرعون کی وہ ہمت ہمت کہنے کے قابل نہیں تو ہمارا یہ ایثار بھی ایثار نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو اپنا خیر خواہ نہیں وہ دوسروں کا بھی خیر خواہ نہیں ہے تو ہم جو کچھ کر رہے ہیں محض رسم کے لئے کر رہے ہیں یہ ہیں وہ صفات جن کو مدائح قرار دیا جاتا ہے۔ ان کا مسلمانوں سے نفی کرنا اور دوسری قوموں میں مدائح کے شمار میں ثابت کرنا کہاں تک قابل قدر ہوسکتا ہے۔ ہم لوگوں کی زبان پر وہ الفاظ ہیں جو کہ جسد بلا روح ہیں کہ رات دن ان کو دہرایا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے برابر کوئی دلسوز ہی نہیں۔ لیکن جیسے حدیث میں آیا ہے: لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمۡ قلب پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا اور جب خود متکلم کے قلب پر اثر نہیں تو سامعین کے قلب پر کیا خاک اثر ہوسکتا ہے غرض مسلمانوں کی کوتاہیوں کا بیان جو اس انداز تحقیر پر ہو وہ بے شک مذموم ہے اس سے تو احتراز واجب ہے لیکن اگر براہِ شفقت ہو تو ضروری ہے اور اسی شفقت کی راہ سے خاص مسلمانوں کی شکایت ان کوتاہیوں کے متعلق بھی مضائقہ نہیں۔ پس میرا تخصیص کے ساتھ کہنا کہ مسلمانوں میں کوتاہیاں ہیں بطور قید احترازی کے نہیں بلکہ

تخصیص کی نظر سے ہے کہ ہمارا خطاب اب اس وقت خاص مسلمانوں سے ہے۔
اور اس موقع پر ان ہی کی اصلاح مہتم بالشان ہے اس مضمون کو اس قدر تفصیل سے بیان کرنے کا قصد نہ تھا اتفاقاً اس میں تفصیل ہوگئی جو انشاء اللہ مفید ہوگی۔ اب اس کوتاہی کو جو یہاں مقصود بالذکر ہے عرض کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ منجملہ ان موجودہ کوتاہیوں کے ایک کوتاہی یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں نے دین کے اجزاء کو متفرق کردیا یعنی (۱) دین میں انتخاب کرلیا ہے۔ جیسے کوئی چیز تقسیم ہوا کرتی ہے مثلاً انعام کہ گھڑی رومال وغیرہ میں ایک نے گھڑی لے لی، دوسرے نے رومال، تیسرے نے کچھ اور چوتھے نے کچھ اور اسی طرح ہمارے بھائیوں نے اس وقت مذہب میں عمل کیا ہے کہ ایک نے دین کے ایک جزو کو لے لیا۔ دوسرے نے دوسرے جز کو اسی کو قرآن میں فرمایا گیا ہے: جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ اس تفریق کی بہت سی صورتیں ہیں ایک منجملہ ان کے یہ ہے کہ کچھ حصہ پر ایمان لایا جاوے اور کچھ حصے سے انکار کیا جاوے۔ مسلمان اس سے تو بری ہیں۔ ایک یہ ہے کہ بعض کو چھوڑ دیا جاوے اس کی بہت صورتیں ہیں ایک کو اس وقت بیان کیا جاتا ہے کہ بعض نے تو صرف اعمال بدنیہ کو دین سمجھا اور اعمال مالیہ کو دین سے خارج سمجھا اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ دیندار کہلاتے ہیں کہ انھوں نے دین کا مدار زیادہ تر اعمال بدنیہ کو سمجھا اور بعض نے فقط اعمال مالیہ کو اختیار کر کے دوسرے اجزاء کو خیر باد کہدیا چنانچہ اس وقت دونوں قسم کے لوگ موجود ہیں۔ بعض رؤساء کہ ان کو مشقت اٹھانا دشوار ہے انھوں نے تو یہ تجویز (۲) کرلیا کہ چار روپیہ کسی رفاہ عام کے کام میں دے دو بس کافی ہے (۳) اور دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ نفع متعدی نفع لازمی سے زیادہ نفع ہے۔ صاحبو! یہ بالکل وہی ہے کہ كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدَ بِهِ الْبَاطِلُ کیا اعمال مالیہ پر کاربند ہو کر اعمال بدنیہ کی ضرورت نہ رہے گی ان کا وجوب ساقط ہوجائے گا ذرا قرآن کو دیکھئے کہ جہاں اٰتُوا الزَّكٰوةَ ہے وہیں وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ بھی موجود ہے قرآن میں تامل کرنے کے بعد کسی کو ذرا گنجائش اس کی نہیں مل سکتی ہے۔ رہا یہ شبہ کہ اگر

---

(۱) ہم لوگوں نے دین کو انتخاب کرلیا ہے۔ (۲) دین کے تجزیہ کی صورتیں۔ (۳) اور بعض لوگوں نے عبادت بدنیہ کو لے کر عبادت مالیہ کو چھوڑ رکھا ہے اور بعض نے صرف عبادت مالیہ کو اختیار کیا ہے۔

قرآن (۱) میں کسی کو یہ گنجائش نہیں ملتی تو یہ بہتر فرقے کیونکر پیدا ہو گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب گنجائش قبل غور ہے جب تک غور نہ کیا جاوے اس وقت تک قرآن کی حالت مردنخی کی سی ہے۔ کہ معتزلہ اس سے اپنے توہمات کو ثابت کر رہے ہیں اور قدریہ اپنے توہمات کو مجسمہ اپنے دعوے پر دلیل پیش کرتے ہیں معطلہ اپنے دعوے پر لیکن غور کرنے کے بعد سوائے مذہب حق کے کسی ایک کے مذہب کی بھی گنجائش کلام مجید میں نہیں رہتی۔ ارشاد ہے: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا معلوم ہوا کہ یہ بات تدبر کے بعد نظر آتی ہے کہ اس میں اختلاف نہیں تو جو کچھ اختلاف ہے وہ بوجہ غور نہ کرنے کے ہے اور تدبر بھی اس شخص کا معتبر ہوگا جس کے پاس سامانِ تدبر بھی ہو۔ ہر کس و ناکس (۲) کا تدبر معتبر نہیں۔ آج کل کے عقلاء کا تدبر ایسا ہی ہوگا۔ جیسا کہ ایک شخص نے گلستاں کے اس شعر میں تدبر کیا تھا ؎

دوست آن باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

کہ ایک مرتبہ ان کے ایک دوست کہیں پٹنے لگے اور خود بھی کچھ ہاتھ چلا رہے تھے انہوں نے وہاں جا کر اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پہلے سے بھی زیادہ پٹائی ہوئی کسی نے اس حرکت کی وجہ پوچھی تو کہا کہ میں شیخ سعدیؒ کے اس قول پر عمل کیا ؎

دوست آں باشد الخ

جیسا کہ اس نے گلستاں کو سمجھا تھا ویسا ہی ہمارے بھائی بھی قرآن مجید میں تدبر کرنے والے موجود ہیں۔ خدا ان کو سلامت رکھے مگر باطنی سلامتی کے سایے کے ساتھ ایک صاحب پنجاب میں مجھ سے ملے کہنے لگے کہ تحقیقات (۳) جدیدہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ تخم میں ایک نر اور ایک مادہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں خیر یہی ہو۔ لیکن یہ کیا

---

(۱) کلام مجید سے صرف اہل حق کے مذہب کا اثبات ہوتا ہے اور مطلب آیت افلا یتدبرون القرآن کا بھی یہی ہے۔ (۲) قرآن میں تدبر ہر شخص کا معتبر نہیں۔ (۳) تحقیقات جدیدہ کے ایک معتقد شخص کا قصہ اور قرآن مجید سے اس کے عجیب وغریب اجتہاد کا لطف انگیز بیان۔

ضروری ہے کہ قرآن میں بھی یہ مسئلہ موجود ہو مگر وہ کہنے لگے کہ میں نے سوچا کہ قرآن مجید میں بھی کہیں اس کا ذکر ہے یا نہیں۔ کئی مہینے تک سوچتا رہا۔ لیکن کہیں نہ ملا۔ سبحان اللہ۔ صاحبو قرآن میں اس مسئلہ کو ڈھونڈھنا ایسا ہے جیسے کوئی طب اکبر میں جوتے بنانے کی ترکیب ڈھونڈھنے لگے۔ کیوں صاحبو! اگر کوئی ایسا کرنے لگے تو عقلاء وقت اس کی نسبت کیا فتویٰ دیں گے وہی فتویٰ اس کی نسبت بھی دینا چاہئے۔ غرض کہنے لگے کہ مدت کے بعد ایک روز اتفاق سے میری بیوی قرآن پڑھ رہی تھی جب اس نے یہ آیت پڑھی سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ تو بہت خوش ہوا کہ قرآن میں یہ مسئلہ صراحۃً موجود ہے۔ تو وہ بزرگ ازواج کے معنیٰ خاص میاں بیوی اور نر و مادہ کے سمجھے حالانکہ ازواج کے لغوی معنیٰ جوڑے کے ہیں خواہ کسی چیز کا جوڑا ہو حتیٰ کہ زوجی الخف والنعل بھی کہتے ہیں۔ زوج کے معنیٰ وہی ہیں جس کو فارسی میں جفت اور اردو میں جوڑا کہتے ہیں۔ بیوی کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی باہم جوڑا ہوتے ہیں یہ نہیں کہ ہر جگہ میاں بیوی ہی کے معنیٰ ہوں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میری جفت پاپوش اٹھالاؤ یا یہ کہے کہ میرا جوتے کا جوڑا اٹھالاؤ تو کیا اس کے یہ معنیٰ ہوں گے میرے جوتے کی میاں بیوی اٹھالاؤ۔ پس معنیٰ آیت کے تو یہ ہیں کہ ہم نے نباتات میں بھی جوڑے پیدا کئے ہیں کہ اگر ایک انار کھٹا ہے تو دوسرا میٹھا علیٰ ھذا لیکن ان مجتہد صاحب نے ان ازواج کا ترجمہ زن و شوہر کیا۔ اور قرآن میں اپنے نزدیک اس مسئلہ کو بھی داخل کر دیا۔ تو اگر ایسے لوگ قرآن میں تدبر کریں گے تو قرآن کی جو گت ہوگی ظاہر ہے اور اس قسم کے تدبر کرنے والے اس سے پہلے بھی لوگوں میں ہوتے آئے ہیں میرے ایک استاد بیان کرتے تھے۔ کہ ان کے پاس ایک درزی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اول یہ پڑھا اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، پھر ایک آہ سرد کھینچی۔ اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب بادلوں کی بھی موت ہے۔ یہ گت بعد الموت کی بنائی کہ عین کی جگہ الف پڑھ کر اس کی یوں تعلیل کی کہ بادل موت۔ بہت لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھنی شروع کر دیں لیکن وہ تفاسیر اسی قسم کی ہیں وجہ یہ کہ ان کے پاس سامانِ تدبر یعنی علم و تقویٰ نہیں ہے معلوم ہوا کہ تدبر بھی ضروری ہے۔ جس کو اس آیت

میں فرمایا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اور پھر تدبر کے لئے سامان تدبر بھی ضروری ہے جیسا کہ ظاہر ہے پس اس آیت سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن میں غور کرنے کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی اور جہاں بالکل صریح دلالت ہو وہاں تو تدبر کی بھی ضرورت نہیں۔ چنانچہ عباداتِ بدنیہ و مالیہ کی تفریق کی غلطی پر اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ صاف دال ہے کہ جہاں اٰتُوا الزَّکٰوۃَ کا حکم ہے وہاں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ بھی ہے یہ تو دنیا دار امراء کی حالت کا بیان تھا۔ دوسرے (۱) وہ لوگ ہیں جن پر دین داری کا بہت ہی غلبہ ہے انھوں نے اپنے مذاق کے موافق ایک اور مسلک اختیار کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ دین داری جو کچھ ہے وہ جان سے کام لینے میں ان لوگوں نے طاعات مالیہ کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ میں اپنے ہی کو کہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص میری سوانح عمری لکھنے لگے تو اس کا آسانی سے پتہ بھی نہ لگے گا کہ فلاں جگہ ۱۰ دیئے۔ اسی طرح ہم میں اکثر کی یہ حالت ہے غرض اس تفصیل سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہم لوگوں نے دین کے اجزا کو تقسیم کر رکھا ہے کہ ایک جزو کو ایک نے اختیار کر لیا اور دوسرے کو دوسروں نے یہ ایک کلی، کوتاہی ہے۔ پھر اس کے تحت میں اور بہت سی جزئیات داخل ہیں، یعنی پھر خود عبادات (۲) بدنیہ میں بھی تفریق کی ہے مثلاً کسی نے وظیفہ کو لے لیا کسی نے صرف قرآن کو لے لیا ایک شخص کہتے تھے کہ میں اپنے مرشد کی تعلیم پر اس شدت سے پابند ہوں کہ نماز چاہے قضا ہو جائے لیکن مرشد کی تعلیم قضا نہیں ہوتی۔ اسی طرح اموال میں تفریق کی ہے۔ چنانچہ بعض لوگ جب مرنے لگتے ہیں۔ تو چونکہ کوئی اولاد نہیں ہوتی اس لئے وہ مسجد بنانا تجویز کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض جگہ نمازیوں کی تعداد سے مسجدوں کی تعداد زیادہ ہے۔ قصبۂ آنولہ کی نسبت سنا ہے کہ وہاں بے حد مسجدیں ہیں۔ اور غضب یہ ہے کہ باوجود اس کثرت کے اب بھی اگر کسی کو اس طرف توجہ ہو گی تو اپنی مسجد الگ ہی بنانے کی سوجھے گی۔ اور مزہ یہ کہ نئی مسجد شروع کر کے پرانی کے سامان لینے پر نگاہ دوڑتی ہے کیونکہ چندہ تو اس قدر ہو نہیں سکتا کام ادھر میں رہ جاتا ہے اور اس وقت مولویوں سے اجازت لینے کی فکر کرتے ہیں کہ حضرت پرانی مسجد بالکل ویران ہے

---

(۱) عبادات بدنیہ پر اکتفا کر کے عبادات مالیہ کی طرف متوجہ نہ ہونے والوں کا مکرر اور مفصل بیان اور تاکید۔۱۲ (۲) عبادات بدنیہ میں بھی ہم نے تفریق کی ہے۔

آباد ہونے کی امید نہیں کیا اس کا ملبہ نئی مسجد میں خرچ کرلیں میں نے اپنے قصبہ میں دیکھا ہے کہ لوگوں نے ایک پرانی مسجد کو چھوڑ کر دس پندرہ قدم کے فاصلے پر ایک نئی مسجد بنائی اب چند ورز سے لوگ اس پرانی کی درستی پر بھی متوجہ ہوئے ہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ یا ایک پھر ویران ہوگی یا دونوں (۱) کی جماعتیں ٹوٹیں گی۔ کانپور میں ایک شخص نے مسجد بنائی دوسرے برادری کے بھائی نے اس کے مقابلہ پر ایک دوسری مسجد تیار کی۔ جب دونوں بن کر تیار ہوئیں تو نمازیوں کو فکر ہوئی آخر یہ تجویز کیا گیا کہ نماز کے بعد شیرینی تقسیم کی جایا کرے تا کہ نمازی بڑھیں وجہ اس کی یہی ہے کہ اس قسم کے لوگ مسجد بنانا زیادہ ثواب سمجھتے ہیں کہ مسجد کے کام میں روپیہ صرف ہونے میں زیادہ ثواب ہے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک شخص تیل لایا اور اس سے پوچھا گیا کہ اس کو طالب علموں میں صرف کردیا جائے یا مسجد میں تو مسجد تجویز کرتا ہے بلکہ اکثر عوام الناس (۲) کا یہ خیال ہے کہ مسجد میں تیل جلنے سے قبر میں روشنی ہوتی ہے اسی بناء پر اگر کوئی مرجاوے اور اس کو ثواب پہنچانا ہو تو کھانا مسجد ہی میں بھیجتے ہیں دوسری جگہ دینے کو ویسا ثواب نہیں سمجھتے اور اس میں ایک اور قید تراشی ہے کہ وہ کھانا (۳) بھی رات کے وقت بھیجا جاوے۔ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ دن کو تو آفتاب نکلا ہے اس کی کم وبیش روشنی تو ضرور ہی قبر میں پہونچی ہوگی۔ برخلاف رات کے کہ اس میں بالکل تاریکی ہوتی ہے اس لئے اس وقت اس طعام اور اس چراغ کے ذریعے سے روشنی پہونچے گی۔ اور دن کو بھیجنا رات کے وقت نافع ہونے کی توقع پر شاید اس لئے پسند نہیں کرتے ہوں گے کہ خدا جانے وہاں کا انتظام کافی ہوگا یا نہیں تو ایسے وقت پہونچاؤ کہ فوراً ہی پہنچے ایسا نہ ہو کہ کارکنانِ قضا وقدر کہیں رکھ کر بھول جائیں اور وہ مردہ ساری رات تاریکی میں رہے اسی کے قریب گڑ دینے (۴) کی رسم ہے یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ سکرات موت کی تلخی اس سے دور ہوگی۔ صاحبو! گڑ تو وہاں پہونچتا نہیں اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ میٹھی چیز کا ثواب بھی میٹھا ہوتا ہے غرض اس قسم کی بہت سے خرافات لوگوں میں ہیں اور ان سب کے لئے مسجد ہی کو

---

(۱) ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنانے کے مفاسد۔۱۲

(۲) مسجد میں تیل بھیجنے کے متعلق عوام کی ایک غلط خیال کی تردید۔۱۲

(۳) طعام کے ایصال ثواب میں رات کی تخصیص۔۱۲ (۴) گڑ کی رسم۔۱۲

تجویز کیا ہے کیونکہ ان کے اعتقاد میں مسجد میں بھیجنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے اور مسجد میں بھی زیادہ تر ثواب خاص منبر پر رکھنے سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بھی اس وقت کا کہ جب اس پر نیاز بھی دی جائے ورنہ ان کے خیال میں اتنا مال ضائع ہی گیا۔ کانپور میں (۱) ایک مرتبہ چند عورتیں کچھ مٹھائی لے کر عشا کے بعد جامع مسجد میں آئیں وہاں بھی مدرسہ کے طلباء رہتے تھے میں اس وقت مکان پر جا چکا تھا صرف طلبہ مسجد میں موجود تھے طالب علموں کا فرقہ آزاد ہوتا ہی ہے وہ ان سے مٹھائی لے کر نیاز دیئے بغیر ہی سب کھا گئے۔ اس پر ان عورتوں نے بے حد شور وغل کیا ان کی آواز سن کر ان کے گھر کے مرد بھی جمع ہو گئے یہ ہنگامہ دیکھ کر ایک طالب علم میرے پاس دوڑا آیا اور کہا کہ مسجد میں اس قسم کا ہنگامہ برپا ہے اور یہ اس کی وجہ ہے۔ میں نے مسجد میں آکر دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ آخر میں نے اس وقت باقتضائے مصلحت طالب علموں کو برا بھلا کہا ایک آدھ کو مارا بھی اور مٹھائی کی قیمت پوچھ کر طالب علموں سے سب قیمت دلوائی اور عورتوں کو سمجھا دیا کہ یہاں نہ لایا کرو قیمت دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ صرف ڈھائی آنے کی مٹھائی تھی۔ حالانکہ یہ مقدار ایسی مقدار نہ تھی جس پر اس قدر ہنگامہ کی نوبت آتی نیز وہ ان ہی طالب علموں کے لئے لائی گئی تھی۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ نیاز نہ ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کے خیال میں ثواب نہیں پہونچا تھا۔ جو یہاں تک نوبت پہونچی۔ حالانکہ میں بقسم کہتا (۲) ہوں کہ اگر دس مرتبہ بھی نیاز دے دی جاوے لیکن کسی کو کھلایا یا دیا نہ جاوے تو کچھ بھی ثواب نہیں پہونچتا اور اگر ایک دفعہ بھی نیاز نہ دی جاوے اور کسی مستحق کو دے دیا جاوے تو ثواب پہونچ جاتا ہے۔ ایک ظریف درویش نے بیان کیا کہ ایک مقام پر فاتحہ تھی ہم کو بھی بلایا گیا۔ کھانا چنا گیا تو فاتحہ شروع ہوئی فاتحہ خواں (۳) نے حضرت آدم علیہ السلام سے نام گنوانے شروع کئے جب بہت دیر ہو گئی تو میں نے کہا کہ صاحب ساری دنیا کے تو نام شمار کئے جاتے ہیں مگر ہمارا نام بھی تو لے لو کیونکہ جب تک ہم نہ کھاویں گے ان میں سے ایک کو بھی ثواب نہ پہونچے گا اس پر وہ لوگ خفا تو بہت ہوئے کہ وہابی ہیں لیکن فاتحہ کا سلسلہ جلدی ختم ہو گیا۔

---

(۱) مٹھائی اور نیاز کے بابت جاہل عورتوں وغیرہ کا قصہ۔ ۱۲ (۲) نیاز پر طعام کے متعلق ایک بہت عمدہ تقریر۔ ۱۲ (۳) ایک طریقہ کا قصہ بابت نیاز۔ ۱۲

غرض عام طور سے لوگوں کا یہ خیال کہ بدون نیاز کے ثواب نہیں ہوتا۔ نیز اس میں قوانین بھی ایجاد کئے ہیں۔ چنانچہ مجھ سے ایک شاہ صاب نے ارشاد فرمایا کہ گیارہویں (۱) اٹھارہویں تاریخ تک جائز ہے اس کے بعد جائز نہیں گویا یہ نماز کا وقت ہے کہ فلاں گھنٹے تک رہے گا۔ اس کے بعد نہ رہے گا۔ صاحبو! یہ عقائد رو کنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے تو سمجھ لو کہ لوگ تم کو دیکھ کر یہ عقیدہ پیدا کرلیں گے۔ صاحبو عوام الناس اس قدر حد سے نکل گئے ہیں۔ کہ شریعت سے بہت دور جاپڑے۔ غضب ہے کہ بعض مقامات پر خدائی رات (۲) منائی جاتی ہے اور صبح کو اللہ تعالیٰ کی سلامتی کی گیت گاتی ہوئی مسجد میں آتی ہیں اور آکر جھک کے سلام کرتی ہیں۔ غرض مسجدوں کی بابت یوں سمجھتی ہیں کہ گویا نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ سو بعض نے اموال کا مصرف مسجد ہی کو قرار دیا ہے بعض لوگوں نے انجمنوں یا مدارس کو لیا۔ خواہ وہ مدارس دینی ہوں یا دنیوی لیکن ان میں جنھوں نے مدارس دینوی کو لیا وہ تو کبھی اکھڑ کر بھی مسجد کی طرف نہیں گرتے۔ پس انہوں نے مدرسہ کو سنبھال کر مسجد کو چھوڑ دیا۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ قوم سے جس طرح ہو چندہ (۳) جمع کیا جاوے خواہ وہ شریعت کے موافق ہو یا شریعت کے مخالف ہو یعنی یہ لوگ دباؤ ڈال کر چندہ وصول کرتے ہیں جو کہ شریعت سے بالکل ہی حرام ہے اور یہ غضب کرتے ہیں کہ اگر کوئی غریب آدمی ۴ر آنے دے دے تو ان کی نمائشی قدر اس طرح کی جاتی ہے کہ اس کو نیلام کیا جاتا ہے اور ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ اس کی قدر کی گئی کہ یہ غریب کا عطیہ ہے حالانکہ مقصود محض اس بہانے سے بڑی رقم وصول کرنا ہوتا ہے۔ صاحبو! ان لوگوں سے غریبوں کی کیا قدر ہوگی۔ غریبوں کی قدر وہ کرے گا جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع کرے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ (۴) ایک مرتبہ بیمار ہوگئے۔ جب تندرست ہوئے تو صاحبزادے نے شکریہ میں بہت لوگوں کی دعوت کی۔ مولانا نے اپنے ایک خاص خادم سے فرمایا کہ جب غریب لوگ کھانا کھا چکیں تو ان کے سامنے کا بچا ہوا کھانا جو کہ کتوں کو دیا جاتا ہے وہ سب میرے پاس لے آنا کہ وہ تبرک کھاؤں گا اور خیال نہ کرنا کہ ان کا

---

(۱) گیارہویں کے متعلق ایک شاہ صاحب کا بالکل غلط خیال۔۱۲ (۲) خدائی رات کا بیان۔۱۲
(۳) بعض نے چندہ کی تحصیل ہی کو مشغلہ بنالیا ہے۔۱۲ (۴) غرباء کی قدر کرنے والے بھی علماء ہیں۔۱۲

بدن صاف نہیں۔اوراس کو تبرک اس لئے قرار دیا کہ اول تو وہ لوگ مومن ہیں دوسرے ان کی یہ شان ہے کہ حدیث قدسی میں خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں اَنَا عِندَ المُنکَسِرَۃِ قُلُوبُھُمْ حدیث میں آیا ہے یَاعَائِشَۃُ تُرَبِّیُ المَسَاکِیْنَ چنانچہ وہ کھانا حضرت کے پاس لایا گیا اور حضرت نے اس کو نہایت رغبت سے کھایا۔تو کیا کسی نے اس قسم کی قدر غریبوں کی کر کے دکھائی ہے مگر اس وقت قدر دانی کی بھی نئی نئی فریب آمیز صورتیں ایجاد ہو رہی ہیں حتیٰ کہ اس ایک چونی کو سیکڑوں روپیوں سے فروخت کیا جاتا ہے حالانکہ اس میں علاوہ تلبیس کے ربوٰ بھی لازم آجاتا ہے۔کیونکہ اس صورت میں تفاضل ہو جاتا ہے اور تفاضل ایک جنس میں ربوٰ ہے اور اگر ربوٰ کا کوئی علاج بھی کر لیں تو تلبیس کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ایک مقام پر ایسا ہوا کہ ایک چونی فروخت ہونے لگی۔ایک غیر آدمی نے جو سبق پڑھایا ہوا تھا۔اس پر ایک ہزار روپیہ لگا دیا اور بیچنے والوں نے اس کے نام پر نیلام کو ختم کر دیا۔جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ چونی میرے نام پر ختم ہوگئی ہے تو رونے لگا لوگوں نے رونے کی وجہ پوچھی کہنے لگا کہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے میں نے تو صرف اس لئے ایک ہزار کہہ دیا تھا کہ لوگ سن کر اس سے آگے بڑھیں گے۔ انجمن والوں کا فائدہ ہو جاوے گا آخر ایک صاحب اٹھے اور فرمایا کہ قوم میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ اس عالی ہمت کا قرضہ اپنے ذمے لے لے۔غرض اس غریب کے واسطے پھر چندہ کیا گیا اور اس طرح پر ایک ہزار کی تعداد پوری کی گئی جائے غور ہے کہ یہ کارروائی صدقہ سے کس درجہ بعید ہے۔اور صاحبو یہ صدق ہی وہ چیز ہے جو کہ آج مسلمانوں سے بالکل مفقود ہے کہ اب ان کی ہر بات میں ایک پہلو ہوتا ہے۔ہاں مخلصین میں اب بھی بحمد اللہ یہ صدق باقی ہے۔غرض یہ حالت چندے کی ہوتی ہے۔اور اس مذاق والوں کی یہ حالت ہے کہ گویا یہ کام کر لیا تو دین پر عمل پورا عمل کر لیا نہ ان کو پھر نماز کی ضرورت ہے نہ روزے کی اور اگر نماز پڑھتے بھی ہیں تو گھروں میں گویا مسجد میں آنے کی (۱) ان کے لئے بالکل معافی ہے ایک رئیس صاحب کہنے لگے کہ مسجد میں کس طرح جاویں وہاں نہ چٹائی ٹھیک ہے نہ وہاں فرش پنکھے کا انتظام ہے جگہ جگہ کائی جم رہی ہے۔گھر پر ہر طرح کی آسائش ہے میں نے کہا ذرا سنبھل کر شکایت کرو یہ تم کس کی شکایت

(۱) مسجد میں آنے کے متعلق امراء کے لچر حیلے۔۱۲

کرتے ہو غریبوں کی یا خدائے تعالیٰ کی سو غریبوں کی شکایت تو اس لئے نہیں ہو سکتی کہ ان کے پاس اتنی وسعت ہی نہیں کہ وہ سب سامان کر سکیں۔ خدا تعالیٰ کی شکایت اس لئے نہیں ہو سکتی کہ یہ خدائے تعالیٰ کا اول تو کام نہیں تمہارا کام ہے۔ دوسرے خدائے تعالیٰ کیا فرشتوں سے یہ کام لیں یہ بھی خدا کا کرنا ہے کہ تم کو حکم کیا خدمت مساجد کا اور اس کے لئے وسعتِ مالی دی پس یہ معلوم ہوا کہ تمہاری ہی کوتاہی ہے اس لئے تم اپنی ہی شکایت کر رہے ہو اگر تم مسجد میں جاتے تو تم کو اس کی حس ہوتی اور خیال پیدا ہوتا اور لطف یہ کہ بعضے لوگ مسجد کی مدد تو کیا کرتے اور الٹا مسجد کی چیزیں اپنی ملک کے طور پر سمجھتے ہیں اور منگا منگا کر اپنے اپنے کاموں میں لاتے ہیں اگر کوئی روکے تو اس غریب پر خفگی ہوتی ہے کہ مسجد کیا تمہاری ملک ہے نہیں صاحب مسجد تمہاری ملک ہے کہ اس کی چیز تم خوب استعمال کرو کبھی مسجد میں کچھ دینے کی توفیق ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی حالت بعینہٖ اس قصائی کی سی ہے کہ اس کا ایک رشتہ دار قصائی مر گیا تھا اس کی بیوی یہ کہہ کر روتی تھی کہ ہائے تیری چھریاں کون لے گا تیرے مویشی کون لے گا ایک شخص ہر بات کے جواب میں بول رہا تھا کہ میں لوں گا میں۔ اس میں وہ عورت نوحہ بولی کہ تیرا قرضہ کون دے گا تو وہ صاحب فرماتے ہیں۔ بولو بھائی کس کی باری ہے تو یہی حالت ہماری مساجد کے ساتھ ہے کہ خدمت کا بار تو دوسروں پر اور چیزیں برتنے والے یہ حتیٰ کہ بعض لوگ تو تختے بھی لے جاتے ہیں اور یہ تو دینداروں میں بھی مرض ہے کہ مسجد سے گرم پانی گھر منگا لیتے ہیں۔ غرض میں نے ان سے کہا کہ مسجد کی یہ حالت تو تمہاری ہی بدولت ہے کہنے لگے کہ مولوی تو مسجد میں فرشی پنکھا لگانے سے منع کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اجازت دیتا ہوں تم لگا لو کہنے لگے کہ لوگ شور و غل کریں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے میں نے کہا کہ انشاء اللہ دو چار دن میں جب نماز کی برکت سے قلب پر عبدیت کا اثر ہو گا تو تم خود ہی اس مخدومیت کو چھوڑ دو گے کسی مولوی کو منع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوگی حاصل یہ کہ اسی قسم کے لوگ دین صرف اس کو ہی کہتے ہیں کچھ روپیہ خیرات کر دیا جاوے۔

بنک میں روپیہ جمع کرنا : اور بعضے تو ان سب سے نرالے وہ لوگ ہیں کہ وہ نہ اعمال بدنیہ کریں نہ مالیہ اگر ان کے پاس کچھ سرمایہ ہو تو اس کو بنک میں جمع

کر دیا ان لوگوں کو منع کیا جاتا ہے تو منع کرنے والوں کو یہ لوگ تاریک خیال بتاتے ہیں ایک شخص نے اسی قسم کے ایک صاحب سے کہا کہ ہم نے سنا ہے تم سود لیتے ہو تو وہ جواب میں فرماتے ہیں کہ تم میری ذاتیات پر حملہ کرتے ہو۔ سبحان اللہ امر بالمعروف ذات پر حملہ کرنا ہو گیا آخر جب انھوں نے سمجھایا تو کہنے لگے۔ کہ بھائی یہ وقت جائز ناجائز کی تحقیق کا نہیں ہے اس وقت تو جس طرح ہو سکے روپیہ کمانا چاہئے یہ مذکورہ بالا تو ان لوگون کی حالت تھی جو کہ دنیا کے مدارس قائم کرتے ہیں اور جو دین کے مدارس کے حامی ہیں انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جب ہم نے وعظ یا خطاب خاص سے دوسروں کو ترغیب دی تو ہم کو خود روپیہ دینے کی کیا ضرورت ہے اَلدَّالُ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ کا ہی ثواب بہت ہے۔ الحاصل ہر ایک فرقہ نے اپنے خیال کے موافق دین کا ایک خلاصہ نکال رکھا ہے تو صاحبو یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے۔ مگر میں اس وقت ان مذکورہ اقسام میں سے بضرورت مقام اس کوتاہی کو بالخصوص بیان کرتا ہوں جو کہ غالب ہے۔

چندے کے لئے وعظ کہنا موجب اعتراض نہیں : وہ یہ کہ مال خرچ کرنے کو مشکل سمجھتے ہیں جہاں معلوم ہوا کہ اب چار پیسے خرچ کرنے پڑیں گے انہوں نے فوراً اپنی جان بچا کر اس موقع سے بھاگنے کی کوشش کی۔

کوتاہی متعلق انفاق : ممکن ہے کہ اس خاص کوتاہی کے بیان کرنے سے کسی کو یہ شبہ ہو کہ کیا محض چندہ مانگنے کے واسطے یہ وعظ کہا جاتا ہے تم تو تحریک چندہ کو پسند نہیں کرتے تو میں اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ بے شک اس وقت ترغیب چندہ ہی کے لئے وعظ کہنا زیادہ مقصود ہے اور میں مطلق ترغیب کو ناپسند نہیں کرتا۔ ترغیب تو خدائے تعالیٰ کے کلام مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے البتہ اس کو ایک خاص حد تک کلام مجید میں رکھا گیا ہے یعنی اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک بذل نفس دوسری بذل مال۔ تو جو نسبت اس کو کلام مجید میں ہے اگر وہی نسبت کسی شخص کے وعظ میں بھی ہو تو اس کا کیا مضائقہ ہے اور اس نسبت کے محفوظ رہنے کا یہ طریقہ ہے کہ یا تو ایک ہی وعظ میں دونوں مضمونوں کو بیان کر دیا جائے اور یا کسی ایک وعظ میں بذل نفس کے متعلق بیان کر دیا جاوے چنانچہ اس وعظ سے زیادہ مقصود ترغیب ہے انفاق فی سبیل اللہ کی اور اگرچہ اکثر

واعظین کی یہ عادت ہے کہ جب چندہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ تو شروع سے ترغیب کا مضمون بیان نہیں کرتے بلکہ اس کو موجب وحشت عامہ سمجھ کر یوں کرتے ہیں کہ بیان شروع دوسرے مضمون سے کرتے ہیں اور اس کو کسی جگہ جوڑ لگا کر اسی وعظ میں شامل کر دیتے ہیں اور میں اس طرز کا مخالف تو نہیں ہوں کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہے مگر اس میں اتنا ضرور ہے کہ ایسے شخص کے ہر وعظ میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید اب چندے کا ذکر چھیڑا جاوے اسلئے میں نے شروع ہی سے اس مضمون کو لیا اور پھر کہے دیتا ہوں کہ اس وقت محض چندے کا بیان ہوگا جسکا جی چاہے سنے اور جس کا جی چاہے چلا جاوے جو سنے گا اپنے نفع کے لئے سنے گا۔ ہمارا اس میں کوئی نفع نہیں اور نفع کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس وقت سننے والوں کو کوئی گٹھری انعام میں مل جاوے گی مگر قرآن میں صاف ارشاد ہے: مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ان آیتوں میں غور کیجئے کہ کیا ارشاد ہوتا ہے پس یہ شبہ کہ ہم نے تمہاری ہی زبان سے متعدد مرتبہ چندہ مانگنے کی ممانعت سنی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً ممانعت ہی سمجھ جانا یہ ناتمام مضمون سننے سے ناشی ہوا آیات بالا میں معلوم ہوگیا کہ یہ مضمون بھی دین کا جزو ہے۔

چندہ مانگنے کی متعدد صورتیں ہیں بعض ناجائز بعض جائز :

البتہ چندہ مانگنے کی متعدد صورتیں ہیں ان میں سے جو صورت شریعت پر منطبق نہ ہوگی وہ بے شک مذموم ہوگی باقی مذموم نہ ہوگی اور یہ قاعدہ کچھ چندے کے ساتھ خاص نہیں بلکہ نماز روزہ میں بھی یہی قاعدہ ہے مثلاً جو نماز شریعت پر منطبق ہوگی وہ محمود ہوگی ورنہ مذموم۔ مثلاً اگر کوئی شخص بے وضو نماز پڑھنے لگے یا قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے لگے تو وہ نماز ناجائز اور مذموم نماز ہوگی اسی طرح یہی قاعدہ طاعات مالیہ میں بھی ہے کہ چندہ دینے کے جواز کے لئے کچھ شرائط ہیں اگر وہ پائی جائیں گی۔ تو جائز ہوگا ورنہ ناجائز۔ پھر وہ کچھ چندہ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ہدیہ وغیرہ میں بھی وہی شرائط ہیں اس وقت اکثر کمی یہ ہے کہ ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتے اور یہ کمی زیادہ تر لینے والوں میں ہے دینے والے تو چونکہ حتی الامکان دیتے ہی کم ہیں۔ اس لئے وہ اکثر ان خرابیوں سے

بھی بچے ہوئے ہیں البتہ لینے والے بہت زیادہ مبتلا ہیں اور یہ کوتاہی دو جگہ ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ معاملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ جو کہ بالعوض ہو دوسرے وہ جو کہ بلاعوض ہو۔ پہلی قسم میں بھی اگرچہ خرابیاں آج کل بہت ہیں۔ مگر پھر بھی اس میں ایک حد تک جواز کی صورتیں بھی بکثرت معمول بہا ہیں لیکن بلاعوض میں تو بہت ہی بے احتیاطی کی جاتی ہے۔ اور بلاعوض کی صورت دو ہیں۔ ہدیہ یا چندہ۔ ان دونوں میں سراسر بے احتیاطیاں ہو رہی ہیں۔

ہدیہ قبول کرنے کی شرائط : چنانچہ ہدیہ میں ایک تو یہ بے احتیاطی کر رکھی ہے کہ کبھی کسی کا ہدیہ واپس ہی نہیں کیا جاتا جو شخص بھی ہدیہ پیش کرے اس کو فوراً قبول کر لیا جاتا ہے بلکہ اگر کوئی شخص واپس کر دیتا ہے تو اس کو برا کہتے ہیں اور اس پر اعتراض کرتے ہیں صاحبو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک ہدیہ لینا بھی ناپسندیدہ ہے۔ ارشاد ہے: مَآ اَتَاكَ مِنْ غَيْرِ اشْرَافِ نَفْسٍ فَخُذُوْهُ وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ کہ جو بلا انتظار نفس آوے اس کو لے لو اور جو نہ آوے اس کی فکر میں نہ پڑو اسی حدیث میں حضورؐ نے ہدیہ قبول کرنے کے متعلق ایک قید بتلائی ہے اس کو ادب سے تعبیر کیا جاوے یا شرط واجب سے میں اس وقت اس سے خالی الذہن ہوں جو کچھ بھی حضورؐ نے یہ بتلا دیا کہ اشراف نفس سے بچنا چاہئے میں نے اس سے ایک امر مستنبط کیا ہے اگر استنباط غلط ہو تو اس کی اصلاح کر دی جائے سو میں نے اس سے یہ قاعدہ سمجھا ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس آمد و رفت رکھو تو ہمیشہ ہدیہ لے جانے کے پابند نہ ہو بلکہ کبھی ہدیہ لے کر چلے جاؤ اور کبھی خالی چلے جاؤ کیونکہ تجربہ بتلا رہا ہے کہ پابندی صورت میں جب اس شخص کی صورت نظر پڑے گی تو طبعاً ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوگا کہ خدا جانے کچھ لایا ہے یا نہیں یہی اشراف ہے تو اس کا علاج یا تو یہ ہے کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اس میں اشراف ہی نہ ہو یا یہ ہے کہ پابندی سے منع کر دیا جاوے چنانچہ میں نے اپنے لئے یہی تجویز کیا۔ بلکہ نہ لانا اکثر ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

اہداء کی شرائط : دوسری حدیث میں ہے تَهَادُوْا تَحَابُّوْا تو ہدیہ دینے کی مصلحت حضورؐ نے ازدیاد محبت کو قرار دیا ہے اور ازدیاد محبت اس وقت ہوتا ہے کہ

جب ہدیہ لے کر جی خوش ہو اور جی اس وقت خوش ہوتا ہے کہ جب اشراف نفس نہ ہو ورنہ مسرت نہیں ہوتی۔ بلکہ انتظار کی جو کلفت تھی وہ رفع ہوگئی تو اس حدیث سے بھی یہ بات سمجھ میں آئی کہ ہدیہ میں اشراف کی نوبت نہ آنی چاہئے دوسرے اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ بیعت کے وقت ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اس کی بھی وہی حالت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ بھائی آج کل کے پیروں کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی دیہاتی ان کے سامنے سر کھجلانے لگے تو پیر صاحب کو خیال ہوتا ہے کہ شاید پگڑی میں سے روپیہ نکال کر دے گا۔

پیرانِ باطل کی تمثیل : واقعی بالکل سچ ہے حرص وطمع نے ہماری وہ حالت بنادی کہ جیسے ایک مرید نے اپنے مرشد سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ میری انگلیاں نجاست میں بھر رہی ہیں اور آپ کی انگلیوں پر شہد لگا ہے۔ پیر صاحب سن کر کہنے لگے کہ اس کی تعبیر تو ظاہر ہے تو دنیا کا کتا ہے ہم لوگ اللہ والے ہیں۔ مرید نے کہا کہ حضور ابھی خواب پورا نہیں ہوا میں نے اسی میں یہ بھی دیکھا ہے کہ آپ کی انگلیاں میں چاٹ رہا ہوں اور میری انگلیاں آپ چاٹ رہے ہیں اس پر پیر صاحب بہت خفا ہوئے غرض یہ خواب صحیح ہو یا غلط لیکن اس خواب سے مرید نے جس حالت کا فوٹو کھینچا ہے وہ بالکل مطابق واقع کے ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ مرید تو پیر سے دین حاصل کرنے کے لئے تعلق رکھتا ہے اور پیر مرید سے دنیائے مردار سمیٹنے کی فکر میں ہے اسی قسم کے ایک پیر کے کوئی مرید تھے ان سے کسی نے پوچھا کہ میاں تم کو پیر سے کیا کچھ فائدہ بھی ہوا یا نہیں مرید نے کہا کہ میاں جب سقاوہ ہی میں کچھ نہ ہو تو لوٹا میں کہاں سے آوے۔ مجھے اس موقع پر ایک حکایت یاد آئی بلگرام میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس ایک شخص پڑھنے کے لئے آیا کرتے تھے حسب معمول ایک روز پڑھنے کے لئے آئے تو دیکھا کہ استاد صاحب کے چہرہ پر ضعف کے آثار نمودار ہیں دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج شیخ کے ہاں کھانے کو کچھ نہیں ہے یہ دیکھ کر پڑھنے سے عذر کر دیا اور گھر واپس گئے اور وہاں سے کھانا پکوا کر لائے جب کھانا پیش کیا تو شیخ نے کہا کہ کھانا تو عین حاجت کے وقت آیا ہے لیکن اس کے لینے سے ایک عذر شرعی مانع ہے وہ یہ کہ جب تم واپس گئے تو مجھے اسی وقت خیال آیا کہ تم میرے لئے کھانا لینے کو جاتے ہو تو یہ کھانا

اشراف نفس کے بعد آیا ہے اور اس کا لینا حدیث کے خلاف ہے۔ وہ شاگرد بھی کیسے مؤدب تھے کہ اصرار نہیں کیا اور سینی لے کر فوراً اٹھ کر چل دیئے اور تھوڑی دور پہونچ کر پھر لوٹے اور آ کر عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس نہیں رہا ہوگا کیونکہ میرے واپس لے جانے کے بعد آپ کو یقین ہو گیا ہوگا کہ اب وہ کھانا گیا لہٰذا اب تو اس کو قبول فرمالیجئے چنانچہ آپ نے قبول فرمالیا۔ سبحان اللہ جب دل میں محبت ہوتی ہے خدمت کا طریقہ خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے بقول شخصے

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست

برخلاف آج کل کے کہ اگر کوئی شیخ انکار کردے تو مرید یا شاگرد پھر بھی اس کو پریشان کرتا ہے۔

ہدیہ کا ایک اور ادب : اور ایک ادب ہدیہ کا یہ ہے کہ کہ دنیاوی حاجت کی آمیزش اس میں نہ ہو بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آ کر ہدیہ دیتے ہیں اور پھر تعویذ لکھ دینے کی فرمائش کرتے ہیں ایسے ہدیہ کو فوراً واپس کر دینا چاہئے حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کو ایک اونٹ دیا آپ نے اس کے عوض میں کئی اونٹ اس کو دیئے۔ مگر وہ شخص راضی نہ ہوا اس پر حضورؐ کو سخت رنج ہوا اور آپ نے خطبہ فرمایا کہ فلاں خاندان کے سوا کسی سے ہدیہ نہ لوں گا۔ وجہ اس کی یہی تھی کہ اس شخص نے دینوی غرض سے ہدیہ دیا تھا اور اسی حدیث سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ اکثر لوگوں سے اول ملاقات میں ہدیہ نہ لینا چاہئے کیونکہ اول ملاقات میں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ ہدیہ دینے والے کی کیا نیت ہے اسی لئے میں نے اپنا یہ معمول مقرر کرلیا ہے کہ جو نیا شخص آتا ہے اس سے میں ہدیہ نہیں لیتا۔ البتہ اگر قرائن قویہ سے خلوص ثابت ہو جاوے تو مضائقہ نہیں رسم پرست لوگوں نے اس ہدیہ لے جانے کی وجہ یہ نکالی ہے کہ اگر پیر کے پاس خالی ہاتھ جاوے گا تو وہاں سے بھی خالی ہاتھ آوے گا چنانچہ اس کی نسبت مثل بھی مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے اس لئے ضروری ہے کہ جاتے ہی پیر جی کی مٹھی گرم کردو۔

مصافحہ کے ضمن میں ہدیہ دینا مناسب نہیں ہے : اور اس مٹھی گرم کرنے کے محاورہ کی ایک اصل ہے وہ یہ کہ پیرزادوں نے اپنا راز چھپانے کے لئے

لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ مصافحہ میں ہدیہ دیا کریں تا کہ لوگوں کو پتہ نہ چلے صاحبو اول تو مصافحہ ایک مستقل عبادت ہے اس میں دنیا کے انضمام کے کیا معنیٰ دوسرے اس کی کیا خبر ہے کہ اس شخص کے بعد کوئی دوسرا شخص مصافحہ نہ کرے گا تو اگر کسی دوسرے نے بھی مصافحہ کرلیا تو اس کو معلوم ہوگا کہ پیر صاحب کو یہ ہدیہ دیا گیا ہے پھر اخفا کہاں رہا اور اگر دوسروں کو مصافحہ سے روکا جاوے پھر تو خواہی نخواہی دال میں کالے کا شبہ ہوگا کیونکہ بعضی احتیاط سبب بے احتیاطی کا بن جاتی ہے چنانچہ مشہور ہے کہ ایک شخص کا نکاح ہونے والا تھا تو اس نے کسی دوسرے سے ایک دوشالہ مستعار لے لیا جب بارات گئی تو لوگ دولہا کو دیکھنے کے لئے آئے ایک شخص نے پوچھا کہ دولہا کون ہے تو صاحب دوشالہ دولہا کی طرف اشارہ کر کے فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں لیکن دوشالہ میرا ہے دولہا نے کہا کہ یار تم بھی عجیب آدمی ہو اسے ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی کہنے لگے کہ اب ایسا نہ کروں گا تھوڑی دیر میں اور کسی نے آکر پوچھا تو آپ فرماتے ہیں کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ میرا نہیں اس پر دولہا اور بھی جھلایا کہ بندۂ خدا تم کو اس کے ذکر ہی کیا ضرورت پڑی تھی کہنے لگے کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا کچھ دیر میں ایک اور صاحب نے آکر پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ دولہا تو یہ ہیں مگر دوشالہ کا کچھ ذکر نہیں آخر دولہا نے غصے میں آکر دوشالہ ان کے اوپر پھینک دیا، تو جیسے اس شخص کا یہ کہنا کہ دوشالہ میرا نہیں دوشالہ کا ذکر ہی نہیں بظاہر احتیاط تھی مگر باعتبار اثر کے پوری بے احتیاطی تھی، اسی طرح دوسرے سے مصافحہ نہ کرنا بھی اظہار ہوگا ہدیہ کا جب اظہار ہوگا تو پھر اخفا کہاں رہا۔ نیز جب دوسروں کے بھی مصافحہ کا احتمال ہے تو مرید صاحب کو یہ ڈر بھی تو ہونا چاہئے کہ اگر کوئی شخص پیر کے ہاتھ سے لے کر بھاگ جاوے تو کیا کرلیں گے کیونکہ جب اخفاء کر کے لیا دیا گیا ہے تو ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ تھا اور اگر کہئے کہ ہم دوسرے کے مصافحہ کرنے سے پہلے جیب میں رکھ لیں گے تو میں کہوں گا کہ مصافحہ میں لینے کی مصلحت تو فوت ہوگئی کیونکہ جب جیب میں رکھا گیا تو بھانڈا تو پھوٹ گیا اور اگر میری یہ رائے غلط ہے تو اس کی غلطی ظاہر کردی جائے۔ غرض بعض لوگ یہ تعلیم کرتے ہیں کہ جب پیر کے پاس جاؤ تو کچھ لے کر ضرور جاؤ ورنہ جو خالی جاوے وہ خالی آوے یہ کلمہ تو ٹھیک ہے مگر اس کا مطلب لوگوں نے غلط سمجھا مطلب اس کا یہ ہے کہ جو خلوص سے خالی جاوے گا وہ

خالی آوے گا اگر چہ پیر کو روپیہ بھی کیوں نہ دیا ہو غرض خلوص نہ ہونے سے توفیض سے بھی خالی رہا۔ اور روپیہ دے کر اس سے بھی خالی ہو گیا۔

ہدیہ کی مقدار تخمینی : ایک اور بات بھی ہدیہ کے متعلق کہنی ضروری ہے کہ بعض اوقات جو چیز ہدیہ میں دی جاتی ہے وہ مقدار میں اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ کہ اس کا لینا گراں معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے دس روپیہ لا کر پیش کیے تو بعض دفعہ کسی وجہ سے ان کے لینے سے طبیعت پر گرانی ہوتی ہے۔ اس کے متعلق میں مدت سے سوچا کرتا تھا کہ اگر ہم واپس کرنا چاہیں تو کسی شرعی قاعدے کے تحت میں اس واپسی کو داخل کریں مگر الحمدللہ یہ بھی حدیث سے سمجھ میں آ گیا حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے لَا یُرَدُّ طَیِّبٌ فَاِنَّہٗ خَفِیْفُ الْمَحْمِلِ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد نہ کرنے کی علت طیب کے خفیف المحمل ہونے کو قرار دیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ علت نہ پائی جاوے بلکہ اس کے برخلاف طبیعت پر گرانی اور بار گزرے تو ایسی چیز کا واپس کر دینا جائز ہوگا۔

ہدیہ کے متعلق ایک اور نہایت مفید بات : میں نے اس کا ایک تخمینی معیار مقرر کر لیا ہے وہ یہ کہ کسی شخص سے اس کی ایک دن کی آمدنی سے زیادہ ہدیہ نہ لیا جاوے اور جب ایک دن کی آمدنی کے برابر ایک مرتبہ لے لیا تو پھر دوسرا ہدیہ ایک مہینہ گزرنے سے پہلے نہ لیا جاوے گویا اگر کسی شخص کی تنخواہ ۳۰ روپیہ ماہوار ہے تو اس سے مہینہ بھر میں صرف ایک روپیہ ہدیہ میں لینا مضائقہ نہیں اور اگر کوئی کہے کہ جب ایک شخص جوش طبیعت سے اس سے زیادہ دینا چاہتا ہے تو انکار کی کیا ضرورت تو سمجھو کہ جس جوش میں مصالح کی رعایت نہ ہو وہ جوش نہیں بلکہ جنون ہے جس کی اصلاح کرنی واجب ہے۔

چندہ کے متعلق احتیاط کی باتیں اور اس کی تحصیل کی شرطیں :
اور اسی موقع پر ایک اور امر کو بھی جو کہ ہدیہ صدقہ وغیرہ سب میں مشترک ہے سمجھ لینا چاہئے وہ یہ کہ ہدیہ صدقہ چندہ قرض غرض جو طریقہ داد و دہش کا ہو حرام مال میں نہ ہونا چاہئے اگر کوئی حرام سے دینا چاہے تو صاف انکار کر دے یہ تو ضروری امور ہدیہ کے

متعلق تھے۔ دوسرا امر جس میں بے احتیاطی کی جاتی ہے وہ چندہ ہے اس میں ایک تو یہ ضروری ہے کہ وسعت سے زیادہ نہ لے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے وسعت سے زیادہ نہیں لیا ان لوگوں سے جن پر حضور کو پورا اطمینان تھا کہ ان کی قوت توکل کی کامل ہے جیسے حضرت صدیق اکبرؓ۔ حضورؐ نے ان سے کل سرمایہ قبول فرلیا ہے ایک شرط یہ ہے کہ چندہ دینے والے کی طبیعت پر گرانی نہ ہو یعنی ان طرق سے بچے جن میں دینے والے کی طبیعت پر بار پڑنے کا احتمال ہو کیونکہ حدیث میں ہے لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِءٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسِہٖ ایک شرط یہ ہے کہ اپنی مذلت نہ ہو کیونکہ بعض طریقے ایسے بھی چندہ لینے کے ہیں کہ ان میں دینے والے پر بار تو نہیں ہوتا مگر لینے والا نظروں سے گر جاتا ہے۔ حدیث شریف میں جو سوال کی ممانعت آئی ہے وہ اسی بناء پر ہے اور اسی وجہ سے جہاں نہ گرانی ہو نہ مذلت وہاں حاجت کے وقت طلب کرنا درست ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اگر مانگو تو صلحاء سے مانگو (ہم لوگ جو مدعی اصلاح ہیں اس حدیث کو سن کر بہت متفکر ہوں گے کہ خدا خیر کرے اب سائلین کا ہجوم ہوگا) اور فرمایا کہ بادشاہ سے مانگو خلاصہ یہ ہے کہ یا تو اہل اللہ سے مانگو یا بہت بڑے امیر سے اس کا راز یہ ہے کہ سوال کی حرمت کی وجہ دو ہیں۔ ایک ذلت دوسرے مخاطب کی گرانی طبع کا احتمال لیکن یہ علیٰ سبیل منع الخلو ہیں علیٰ سبیل منع الجمع نہیں اور جب علت مرتفع ہوگی معلول بھی مرتفع ہوگا جب بادشاہ سے مانگا تو نہ ذلت ہوئی نہ گرانی۔ گرانی تو اس لئے نہ ہوگی کہ جس کے پاس کروڑوں موجود ہیں وہ اگر دس پانچ دے دے تو اس کے خزانہ میں کیا کمی آتی ہے اور ذلت اس لئے نہیں کہ بادشاہ خود اتنا بڑا رتبہ رکھتا ہے۔ کہ یہ اس کی نظروں میں چڑھا ہی کب تھا کہ آج نظروں سے گر گیا اور بزرگوں سے مانگنے کی اجازت بھی اس لئے ہے کہ ان سے مانگنے میں مذلت تو اس لئے نہیں ہو سکتی کہ وہ سب سے کم اپنے کو سمجھتے ہیں دوسرے ترحم ان میں بہت ہوتا ہے ہر ایک پر ان کو رحم آتا ہے وہ کسی کو کیوں ذلیل سمجھنے لگے اور گرانی اس لئے نہیں ہوگی کہ وہ ہر چیز سے بالکل آزاد ہیں اگر ان کو نہ کرنا ہوگا وہ آزادی سے جواب دیدیں گے کسی سے وہ کیوں دبیں گے اس لئے گرانی ان کے پاس بھی نہیں آتی ان کی سادگی و آزادی کی وہ حالت ہے کہ

دل فریبانِ نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر ماست باحسنِ خدا داد آمد

زیر بارند درختان کہ ثمرہا دارند
اے خوشا سرو کہ از بندغم آزاد آمد

اوران کی یہ حالت ہے کہ ؎

گردو صدر زنجیر آری بگسلم
غیر زلف آن نگارد لبرم

یعنی بجز احکام خداوندی کی قید کے اورکوئی قید بھی ان کومقید نہیں کرسکتی بڑی قید ننگ وناموس کی ہوتی ہے اس کووہ مٹاہی چکے جس کا طریقہ وہ ہے جواس شعر میں مذکور ہے ؎

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت وناموس ما
اے تو افلاطون وجالینوس ما

دیگر

ہرکرا جامہ زعشقے چاک شد
او ز حرص وعیب کلی پاک شد

اس سے بڑھ کران کی یہ حالت ہے ؎

ساقیا برخیز دروہ جام را
خاک برسر کن غم ایام را

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ ونام را

غرض وہ بالکل آزاد ہیں ان پر کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑسکتا یہ وجہ یہ کہ جس کے سبب ان دونوں کومستثنٰی کردیا گیالیکن جب یہ علت معلوم ہوگئی اور یہ اجازت اسی بناء پر ہے تو اگر کہیں ان دونوں میں بھی اس کا احتمال ہوتو ان سے بھی مانگنا جائز نہ ہوگا اور یہی وجہ تھی

میری ممانعت کی چندہ سے ورنہ مطلق ممانعت ہرگز مقصود نہ تھی۔ اور یہ سمجھ لیجئے کہ دین تو ہر وقت باعزت ہے لیکن ظاہر نظر میں اس کی عزت علماء کی عزت سے سمجھی جاتی ہے اگر یہ لوگ نظروں سے گر گئے تو سمجھئے کہ دین نظروں سے گر گیا اور اس وقت جو دین نظروں سے گر گیا ہے یہ ہماری ہی بدولت اور محض ہماری صورت احتیاج بنانے کی وجہ سے ہے کہ لوگ ہماری اس حالت کو دیکھ کر خود دین کی تعلیم کو موجب ذلت سمجھنے لگے اور ہم کو بھی اس احتیاج نے یہ نوبت پہونچائی بقول شخصے ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

مگر بعض ایسے صاحب ہمت بھی ہیں کہ وہ باوجود احتیاج کے بھی ذلت گوارا نہیں کرتے ایک شاہزادہ ایرانی کسی حادثہ سے آوارہ ہو کر لکھنؤ آیا وہاں ایک رئیس مسافرانہ وارد تھے شاہزادہ نے ان کی دعوت کی دوسرے کسی موقع پر وہ حالتِ سفر میں پریشان ہو کر اتفاقاً ان رئیس کے گھر پہونچے ایک مَریَل ٹٹو پر خستہ وار سوار تھے رئیس صاحب نے اس کی صورت دیکھ کر براہ تاسف کہا ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج ست احتیاج ست احتیاج

شہزادہ بگڑ گیا اور فی البدیہہ جواب دیا کہ ؎

شیر نر کے می شود روبہ مزاج
میزند بر کفش خود صد احتیاج

اور کہا کہ تم ہم کو غربت کی وجہ سے ذلیل سمجھتے ہو اور یہ کہہ کر چل دیا تو جو لوگ مقتداء کہلاویں ان کے لئے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ وہ نظروں سے نہ گریں اور یہ امر حاصل ہوتا ہے استغناء سے البتہ جب کبھی چندے کی ضرورت ہو تو تحریک عام کا مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں کوئی ذلت نہیں ہے رہی تحریک خاص اس میں اگر یہ یقین ہو کہ نہ میں ذلیل ہوں گا اور نہ مخاطب پر گرانی ہوگی تب تو جائز ہے اور اگر ان میں سے ایک کا بھی احتمال ہو تو ناجائز اور میں جو ہمیشہ ممانعت کیا کرتا ہوں وہ اسی تحریک خاص کی بعض صورتوں میں۔ یہ تحقیق ہے اس کی جو میں سمجھا ہوں رہا عمل سو عمل کرنے میں

اپنی اپنی رائے ہے۔

چندہ مشروعہ کی ترغیب دعوت انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے:

میں نے اپنے لئے یہ تجویز کرلیا ہے کہ تحریک عام میں تو کبھی نہ روکا جائے اور تحریک خاص کو مع دونوں قسموں کے ترک کردیا جاوے اس وقت میں تحریک عام کررہا ہوں اس میں بحمد اللہ کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ یہ سوال ہے بلکہ دعوت الی الدین ہے اس کے متعلق اس آیت میں کافی فیصلہ موجود ہے خدائے تعالیٰ فرماتے ہیں: اِنْ یَّسْأَلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ یہ سوال کرنے کے متعلق ارشاد ہے کہ اگر خدائے تعالیٰ تم سے مانگنے لگے اور مبالغہ سے مانگے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ تمہارے کینے کو ظاہر کردے آگے فرماتے ہیں: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِىُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ۔ دیکھئے سوال کی تو نفی کرتے ہیں اور دعوت الی الانفاق کا اثبات فرماتے ہیں اور سوال کرنے پر بخل کرنے میں زیادہ مذمت نہیں فرماتے ہیں بلکہ ایک گونہ اس میں معذور رکھتے ہیں چنانچہ فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور دعوت الی الانفاق میں بخل کرنے کی مذمت فرماتے ہیں کہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ کہ اگر تم روگردانی کروگے تو خدائے تعالیٰ تمہاری بجائے دوسری کسی قوم کو پیدا کردے گا جو کہ تمہاری طرح بخیل اور جان چرانے والے نہ ہوں گے اور تم سے ہر طرح افضل ہوں گے۔ دیکھئے ترغیب پر بخل کرنے سے کس قدر دھمکایا ہے کہ تمہارے تان گاڑی نہیں چلتی دوسرے بھی ہزاروں خدمت گزار موجود ہیں

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ خدمت بداشتت

خدائے تعالیٰ ہی کا ہم پر احسان ہے کہ ہم سے یہ کام لے لیا تو اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے فیصلہ کردیا کہ سوال اور چیز ہے اور وہ ہے کہ جس میں اخفاء ہو اور اخفاء

دو قسم کا ہے ایک صوری دوسرا معنوی جیسے وجاہت سے وصول کرنا کہ یہ بھی اخفاء کی ایک فرد ہے غرض جس میں ایلام قلب ہو وہ اخفاء ہے اور اس پر تبخلوا کا ترتب کچھ بعید نہیں اور ایک ہے ترغیب اس میں بخل کرنا مذموم ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو صورتیں غیر مشروع ہیں وہ تو سوال میں داخل ہیں اور جو مشروع ہیں وہ ترغیب میں غرض میں آپ لوگوں کو ترغیب دیتا ہوں اور مجھے اس ترغیب کے متعلق بہت سے مضامین محرکہ یاد نہیں ہیں ہاں صرف یہ یاد ہے کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ. وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ. اور اس مقام پر خدائے تعالیٰ نے بہت دور تک انفاق فی سبیل اللہ کا حکم فرمایا ہے یعنی یہ ربع سیپارہ اس انفاق کی فضیلت میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے انفاق فی سبیل اللہ بھی بہت بڑی ضروری چیز ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ ہماری حالت یہ ہے کہ

گر جان طلبی مضائقہ نیست

ور زر طلبی سخن درین ست

ہم لوگوں کے حب دین کی تمثیل : ہم لوگوں کو دین سے جو کچھ محبت ہے اس کا خلاصہ وہی ہے جو کہ مولانا نے مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص سفر میں چلا جارہا تھا رستہ میں دیکھا کہ ایک کتا پڑا ہوا سسک رہا ہے اور ایک آدمی اس کے پاس بیٹھا ہوا رو رہا ہے مسافر نے اس شخص سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ یہ کتا میرا بہت بڑا رفیق تھا آج یہ مر رہا ہے میں اس کے غم میں روتا ہوں پوچھا کہ اس کو کیا بیماری ہے کہا کہ صرف فاقہ یہ ماجرا سن کر مسافر کو اس کی اور کتے کی حالت پر رحم آیا قریب ہی ایک بورا بھرا ہوا رکھا تھا مسافر نے پوچھا کہ میاں اس میں کیا چیز ہے اس شخص نے کہا کہ اس میں روٹیاں بھری رکھی ہیں مسافر نے کہا کہ ظالم کتے کے مرنے پر بیٹھا رو رہا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ اس بوری میں سے ایک روٹی نکال کر اس کو دے دے کہنے لگا کہ جناب مجھے اس قدر محبت نہیں ہے کہ اس کے لئے روٹیاں بھی خرچ کرنے لگوں۔ روٹیوں کو دام لگے ہیں اور آنسو تو مفت کے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کی حکایت ہے کہ اس کا لڑکا بیمار ہوا کسی نے ختم قرآن کی رائے دی اور کسی نے خیرات کا مشورہ دیا تو اس نے قرآن تو

پڑھوایا لیکن خیرات ایک پیسہ نہیں دیا اسی طرح ہم لوگ محبت دین کے مدعی تو ہیں مگر پیسہ خرچ کرنے میں محبت سب ختم ہو جاتی ہے اور میں جو اس وقت ترغیب دے رہا ہوں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ضرور ہی دو کیونکہ دین کا کام تو انشاء اللہ تمہارے نہ دینے کی صورت میں بھی ضرور ہی چلے گا میں صرف اس لئے ترغیب دے رہا ہوں کہ یہ بھی ایک شریعت کا مسئلہ ہے۔ جس کا پہونچانا ضروری ہے لیکن اس ترغیب کے ساتھ ہی محل صرف کا بتلانا بھی ضروری ہے مگر اس کے بتلانے سے قبل میں یہ ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے کسی کے کہنے سے نہیں کہا نہ آگے کسی کا کہا ہوا کہوں گا۔ ہاں اس کی مجھے خبر نہیں کہ کسی نے تصرف باطنی سے میرے دل میں ڈالا ہو مگر میں یقین کے ساتھ اس کی بھی نفی کرتا ہوں کیونکہ بحمد اللہ ہمارے بزرگ ایسے نہیں ہیں کہ وہ اس قسم کے تصرفات سے کام لیں بالخصوص ایسے مواقع پر کہ جہاں ان حضرات کو خلاف مرضی ہونے کا احتمال ہو۔ ہاں خدائے تعالیٰ نے دل میں ڈالا اور میں نے بیان کیا۔

چندے کا بہترین مصرف : تو انفاقِ مالی کے مصارف کا فیصلہ یہ ہے کہ مفید انجمنیں، مدرسے، مسجدیں وغیرہ ہیں تو سب ضروری مگر جس وقت جو مصرف زیادہ ضروی ہو وہ زیادہ قابل توجہ ہے۔ میرے خیال میں اس مقام پر اس وقت مدرسہ مظاہر العلوم کے متعلق دار الطلبہ میں بڑی ضرورت ہے کماً بھی کیفاً بھی بلکہ مناسب ہو کہ لوگ اس کو دیکھ بھی لیں لوگوں کے دیکھ لینے میں انشاء اللہ برکت بھی ہوگی۔

دار الطلبہ کے فضائل : اور اس دار الطلبہ کے باب میں ایک حدیث ہے اَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيْلِ بَنَاهُ یعنی اگر چہ وہ ابن السبیل فاسق ہو لیکن پھر بھی اس کے لئے گھر بنانے میں ثواب ہوگا چہ جائے کہ وہ طلبۂ علم ہوں جو کہ اضیاف ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور پھر یہ بھی نہیں کہ یوں ہی سکونت رکھیں بلکہ قال اللہ اور قال الرسول کا شغل رکھیں کہ اس کے برابر کوئی شغل ہی نہیں حدیث میں ہے۔ اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنٌ وَمَا فِيْهَا مَلْعُوْنٌ اِلَّا ذِكْرَ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ اَوْ عَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ۔ تو علم دین ذکر اللہ بھی ہے اور اس میں عالم و متعلم بھی جمع ہیں اور دوسرے متعلقین مَاوَالَاهُ بھی غرض ذکر اللہ اور مَاوَالَاهُ اور عالم اور متعلم تو لعنت سے مستثنیٰ ہوئے باقی

سب موجب بعد عن الرحمۃ ہیں اس سے بعض مخلصین کو اسباب دنیا کی نسبت سخت تشویش ہونا ممکن تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی کیسی تدبیر فرمائی گویا ایک پاکیزہ کیمیا سکھلائی کہ اس دنیائے ملعون کو اگر ماوالاہ میں داخل کردو تو وہ پھر سبب قرب ہو جاوے گی تو اس سے زیادہ کیا کیمیا ہوگی کہ واسطہ لعنت کو واسطہ قرب بنا دیا جاوے اور بھی ایک ذرا سی آنچ میں مولانا اسی مضمون کو فرماتے ہیں ؎

عین آن تخییل را حکمت کند

عین آن زہر آب را شربت کند

آن گماں انگیز را سازد یقیں

مہر ہارو یا نداز اسباب کیں

اور لوگ مغرور نہ ہوں کہ ہم تو ان کاموں میں دیتے ہیں چنانچہ اس وقت بھی مدرسہ میں دیا ہے لہٰذا ہم پہلے سے داخل ہیں سو جتنا دیا ہے وہ تو اس ترغیب سے نہیں دیا اس پر دینا تو جب سمجھا جاوے کہ جنہوں نے مدرسہ میں کچھ دیا ہے وہ اسی قدر دارالطبیہ میں اور دیں اور جنہوں نے اب تک کچھ بھی نہیں دیا وہ بھی حسب ہمت دیں اور جو نہیں لائے وہ وعدہ کرلیں مگر اس کا خیال رہے کہ نری زبان ہی نہ ہو بلکہ پورا بھی کریں اور کوئی صاحب قلیل کثیر کا خیال نہ کریں یہ صدقہ جاریہ جتنا ہو سکے اس کی شرکت کو غنیمت سمجھیں۔

صدقۂ جاریہ کے فضائل : اور صدقۂ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی سبیل ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے حتیٰ کہ بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی احتیاج ظاہر کرنے میں کہتے ہیں ؎

اے کہ برما میروی دامن کشاں

از سر اخلاص الحمد بخواں

کہ اگر اور کچھ نہیں تو ایک دفعہ الحمد ہی پڑھتے جاؤ آج جس الحمد کو ہم ہزار بار خود پڑھ سکتے ہیں بعد مرگ اس کو ایک دفعہ دوسرے کی زبان سے پڑھنے کے لئے ترسیں

گے تو یہ صدقۂ جاریہ اس وقت کام آوے گا نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جاویں گے اور دیکھے گا کہ میرے پاس کافی نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے تو اس کو معلوم ہوگا کہ کسی جگہ بخاری کا ثواب لکھا ہوا کسی جگہ مسلم کا ثواب لکھا ہوا ہے کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہے علیٰ ہذا صاحبو اگر آج سے ہزار سال کے بعد بھی قیامت آوے تو اس وقت تک اس مکان میں یا اس مکان میں تعلیم پانے والوں کے سلسلہ میں جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی مرتبہ مسلم شریف پڑھائی جاوے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا اور قیامت کے روز اس کی غایت پریشانی کے وقت انشاء اللہ تعالیٰ کہا جاوے گا کہ تم نے جو دار الطلبہ میں مثلاً مدد کی تھی آج یہ پوٹ کو پوٹ ثواب کی اس کی بدولت تم کو مل رہی ہے اس وقت خوش ہوگا اور زبان حال سے کہے گا ؎

جمادے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ زہے ارزاں خریدم

اور اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ یا دو روپے دینے سے کیا نفع عظیم حاصل ہوا صاحبو خدائے تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت میں ہاتھ آئی ممکن ہے کہ بعض وہمی مزاجوں کو شبہ ہو کہ جب اس مکان میں یہ کام یہ خود یا مکان نہ رہے گا تو کیسے ثواب ملے گا اول تو اس کا گمان کرنا ہی برا ہے یاد رکھو کہ نیک کام کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا کرتا ؎

اگر گیتی سرا سر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ہرگز نمیرد

غرض اس میں کبھی انقطاع نہیں ہوتا اور بالفرض ہو بھی تو یہ قاعدہ مقرر ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ تو نیت تو دینے والوں کی ہمیشہ ہی کیلئے اس کی اعانت کرنے کی ہے اور اگر اسی پر مدار ہو کہ جتنے دن قیام ہوا اتنے دن کا ثواب ملے تو جنت دائمی کا استحقاق بھی نہ رہے گا کیونکہ جب سو برس تک بھی نیکیاں نہیں کیں تو سو برس سے زیادہ جنت میں کیوں رہیں حالانکہ جنت میں ابد الآباد رہنا ثابت ہے تو اس نیت کی بدولت ہے کہ ہر مسلمان کی یہ نیت ہے کہ اگر قیامت تک زندہ رہیں گے تو اس دین پر رہیں گے

اسی لئے جزائے موبد ملتی ہے اسی طرح یہاں بھی نیت تابید کی ہے پس یہ وسوسہ غلط ٹھہرا تو خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے اس تقسیم اور تجزیہ کا غلط ہونا ثابت فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے تمہارے نفسوں اور جانوں کو خرید لیا ہے تو دونوں کو جمع فرمانے سے یہ بتلا دیا کہ نہ صرف بذل مال کرنے والے مغرور ہوں اور نہ صرف بذل جان کرنے والے بلکہ جب دونوں کا بذل ہوگا تو جنت کا استحقاق ہوگا۔ تو صاحبو جنت ایسی سستی نہیں ہے خوب سمجھ لو کہ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ هِيَ الْجَنَّةُ اب میں طالب علموں کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ اس مقام پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بذل نفس تو خاص خاص کاموں میں ہوتا ہے یعنی قتال میں جس کا آگے ذکر بھی ہے۔ یقاتلون فی سبیل اللہ تو بذل نفس عام کیسے ہوا تو سمجھو کہ خدائے تعالیٰ نے خود آگے چل کر فرمایا ہے اَلتَّائِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ السَّائِحُوْنَ الرَّاكِعُوْنَ الخ یہ آیت اس شبہ کو بالکل زائل کر کے بتلا رہی ہے کہ یہ سب کام بذل نفس ہی میں داخل ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ آگے ارشاد فرمایا ہے وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ المؤمنین اس عن المؤمنین سابق کا اعادہ ہے پس ان اعمال کے بعد یہ حکم دینا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان مؤمنین مذکورین کو بشارت دے دیجئے صریح طور سے دال ہے کہ جس اشتراء نفس واموال کا اوپر ذکر تھا وہ یہ اعمال ہیں پس یہ سب بذل نفس ہوگا اس تقریر سے یہ معلوم ہو گیا ہوگا کہ تمام شریعت مطہرہ بذل نفس اور بذل مال کی تفصیل ہے یہ تھا میرا مقصود اس وقت کے بیان سے اب میں ختم کرتا ہوں اور یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ میری طرف سے مدرسہ میں قبول ہو اور دعا کرتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ برکت دے۔

آمین یارب العالمین۔

اشرف المواعظ حصہ چہارم

تمہید

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَنُصَلِّىۡ عَلٰى رَسُوۡلِهِ الۡكَرِيۡمِ۔

بعد الحمد والصلوٰۃ چند روز سے موجدین فی الدین نے یہ شور اٹھا رکھا ہے کہ حضرات اہل حق ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (توبہ توبہ) روکتے ہیں اور نعوذ باللہ حضورؐ کی شان میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسی ضمن میں ایک نئی بدعت کا اختراع بھی کیا ہے کہ حضورؐ کی ولادت کی تاریخ میں ایک عید مناتے ہیں جس کا نام انہوں نے عید میلاد النبیؐ قرار دیا ہے اور ہر ایک بڑے شہر میں اس کی ترویج کرتے ہیں۔ چنانچہ امسال بھی بعض امصار میں اس کا شور وغل ہوا بنابریں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی نے اس وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر شریف کے آداب اور اس میں لوگوں نے جو اختراعات کئے ہیں عموماً اور اس بدعت جدیدہ کا خصوصاً نہایت عجیب طرح سے رد اور حضرات اہل حق کے مسلک کی تحقیق تمام مضامین مع دیگر فوائد کے ایسے عجیب اور نرالے طرز سے بیان فرمائے کہ متر ددین کے تمام شکوک وشبہات زائل ہوگئے اور دیگر مواعظ کی طرح اس کو بھی ضبط کیا گیا اور بعد نظر ثانی حضرت مولانا مدظلہم العالی کے اس کو دیگر مواعظ کے سلسلہ سے مستقل علیحدہ علیحدہ طبع کر کے اشاعت کی گئی۔

نبیؐ خود نور اور قرآن ملا نور
نہ ہوں کیوں مل کے پھر نورٌ علیٰ نور

وعظ ملقب بہ النور

{ آداب متعلقہ ذکر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم }

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم حَامِدًا وَّ مُصَلِّیًا!

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَ مِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِی اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ مَولَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ. اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: ﴿قَدۡ جَاۗءَکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ نُوۡرٌ وَّکِتَابٌ مُّبِیۡنٌ﴾

یہ ایک مختصری آیت ہے اس میں حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی دونوں نعمتوں کا عطا فرمانا ان دونوں نعمتوں پر اپنا احسان ظاہر فرمانا بیان فرمایا ہے ان دونوں نعمتوں میں ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ باوجود ہے۔ اور دوسری نعمت قرآن مجید کا نزول ہے ایک کو لفظ نور سے ذکر فرمایا ہے اور دوسرے کو کتاب کے عنوان سے ارشاد فرمایا ہے اور یہ توجیہ اس آیت کی ایک تفسیر کی بناء پر ہے یعنی جب کہ نور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود موجود مراد لیا جاوے اور اگر دوسری تفسیر اختیار کی جاوے یعنی نور اور کتاب دونوں سے قرآن مجید ہی مراد لیا جاوے تو توجیہ بدل جاوے گی اور اس صورت میں عطف کتاب کا نور پر باوجود اتحاد ذات کے تغایر حیثیت وصفت کے اعتبار سے ہوگا کہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں ایک صفت نوریت کی ہے اور دوسری صفت کتابیت کی ہے اور اس توجیہ کی بناء پر بھی وہ تعدد نعمت فوت نہ ہوگا۔ یعنی وہ دو نعمتیں اب بھی رہیں گی۔ لیکن ایک پر دلالت مطابقی ہوگی اور دوسری پر دلالت التزامی یعنی قرآن پر تو دلالت مطابقی ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور چونکہ قرآن کا نزول حضورؐ پر ہوا اور حضور کی

مقام وعظ جامع مسجد تھانہ بھون، بتاریخ ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ۔

برکت سے ہم کو یہ نعمت عطا ہوئی اس لئے اسی کلام میں بطریق لزوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود پر بھی دلالت ہوگی بہر حال دنوں بطریق مطابقت مذکور ہوں یا ایک بطریق مطابقت اور دوسری بطریق لزوم ہر حال میں اس آیت میں دونوں نعمتوں کا ذکر ہے یہ حال ہے اس آیت کا مگر قبل اس کے متعلق کچھ بیان کیا جاوے اس سوال کا جواب دیتا ہوں کہ اس وقت کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہوئی۔

اس آیت کو اس وقت اختیار کرنے کی وجہ : سو اول تو یہ سوال ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ایسا نہیں کہ اس پر یہ سوال ہو سکے۔ مگر یہ سوال ہمارے کم سمجھ مدعیان محبت اخوان کی بدولت پیدا ہوا ہے اور وہ لوگ ہیں جو آج کل ذکر مولد میں تخصیصات کے پابند ہیں۔ سو ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو خاص خاص ازمنہ کے ساتھ مختص کر دیا ہے جیسے بعض مدعیان محبت حضرت حسینؓ نے ذکر حسینؓ کو محرم کے ساتھ خاص کر دیا ہے ایسا ہی ان مدعیان محبت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ربیع الاول کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور عجب نہیں کہ میرے اس وقت کے اس بیان سے کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہو کہ یہ بیان بھی شاید اسی وجہ سے ہو رہا ہے کہ یہ مہینہ اس بیان کا ہے اور اس کے ذہن میں آنے سے دو قسم کے لوگوں کو دو تعجب پیدا ہوئے ہوں منہمکین فی التخصیصات کو تو یہ تعجب کہ یہ لوگ تو اس تخصیص پر کلام کرتے ہیں پھر خود اس کا ارتکاب کرنے کی کیا وجہ۔ کیا ان لوگوں کے قول و فعل مطابق نہیں ہوتے اور مانعین تخصیصات کو یہ تعجب کہ اس نے محققین کا مسلک کیوں چھوڑا بہر حال چونکہ ایک خاص جماعت نے ذکر رسول کو خاص کر دیا ہے خاص اوقات کے ساتھ اسی لئے اس وقت میرے اس بیان پر یہ سوال ہو سکتا ہے ورنہ یہ سوال بالکل لایعنی تھا اور یہ مسلمان کے دل میں پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔

فضیلت ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ایسی چیز ہے کہ اس کی نسبت یہ سوال ہو سکے کہ اس وقت اس ذکر کو کیوں اختیار کیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تو ایسی چیز ہے کہ ہر وقت ہر انسان کے رگ و پے میں ساری ہو بلکہ دوسرے اذکار بھی اس ذکر کی طرف راجع ہو جایا کریں

اوراس کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے انسان ہر ذکر سے اسی کا ذکر نکال لیتا ہے اور ہر گفتگو کا خاتمہ اسی کے تذکرہ اور یاد پر ہوتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے استغراق فی التوحید کی حکایت :

حضرت حاجی صاحب نَوَّرَ اللہ مَرْقَدَہٗ کو چونکہ محبت حق اور توحید میں کمال تھا۔ اور توجہ بحق غالب تھی۔ آپ ہر بات کو توحید کی طرف منعطف فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر بعض حکام مکہ کے تشددات کا تذکرہ شروع کیا کہ یوں ظلم کرتے ہیں۔ یوں پریشان کر رکھا ہے۔ مگر وہاں تو دل میں ایک ہی بسا ہوا تھا اور یہ حالت تھی کہ ؎

خلیل آسا درِ ملک یقین زن
نوائے لا احب الآفلین زن

اور یہ حالت تھی کہ ؎

ہمہ شہر پر زخوبان منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نہ کند بہ کس نگاہے

بس معاً ہی فرماتے ہیں کہ آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے۔ اور اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے اسماء جمالیہ وجلالیہ یعنی لطفیہ وقہریہ کی تحقیق ہونے لگی۔

تحقیق اسماء جلالیہ وجمالیہ : اور اس اسماء جمالیہ اور جلالیہ کے وہ معنیٰ نہیں جن کو عاملین اسماء جلالیہ وجمالیہ کہتے ہیں اور جن میں ان کے نزدیک گوشت چھوڑ دینا ضروری ہے وہ تو ایک اسماء مخترع اصلاح ہے بلکہ مراد اسماء جلالیہ ہے۔ اسماء قہریہ اور اسماء جمالیہ سے اسماء لطیفہ ہیں۔ تو یہ سختی وغیرہ جو کچھ ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ظہور ہوتا ہے اور اس میں خدائے تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں ظلم وستم اگرچہ ہمارے افعال ہونے کی حیثیت سے اور ہمارے اعتبار سے معصیت ہے مگر اس کی تخلیق وتکوین میں بھی خدائے تعالیٰ کے مصالح اور بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں حتیٰ کہ میں نے اپنے استاد سے سنا ہے کہ دنیا میں چوری ہوتی ہے مگر اس کا وجود بھی حکمت سے خالی نہیں ہے اگرچہ یہ تو اعتقاد ہے کہ خدا کی حکمت نے چاہا کہ کوئی ایسا ہو اور کوئی ایسا ہو اور اس

فعل میں گناہ بھی ہوگا۔ بوجہ اس کے اختیاری ہونے کے مگر یہ ایسا ہے جیسے گھر میں پاخانہ ہوتا ہے کہ وہ تمام قطعات سے ارذل ہوتے ہے۔ لیکن مکان بغیر اس کے ناتمام ہے ایسا ہی عالم بدون کفر کے ناتمام ہے ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ بزرگوں کے برکات کا تو مقتضا یہ تھا کہ ان کے مزارات پر خرافات نہ ہوا کرتے اسی شب خواب میں یہ شعر وارد ہوا

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

اسی طرح چوری کیسی بری چیز ہے مگر بہت سی حلال روزیاں اس کی بدولت ہیں مثلاً لوہاروں سے عمدہ عمدہ قفل بنوائے جاتے ہیں اور یہ اسی کی بدولت بڑھئی سے مضبوط کواڑ تیار کرائے جاتے ہیں۔ پاسبانوں کو بڑی بڑی تنخواہیں دی جاتی ہیں یہ سب اسی کی بدولت ہے تو اسماء جلالیہ کے ظہور کے یہ معنیٰ ہیں تو حضرت حاجی صاحب فرمانے لگے کہ آج کل اسماء جلالیہ کا ظہور ہو رہا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ غیبت وغیرہ سب بھاگ گئی تو جس کے دل میں کوئی چیز بسی ہوئی ہوتی ہے اس کو ہر چیز میں اسی کا ذکر یاد آتا ہے۔ جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کی محبت کا یہ اثر ہے تو جن لوگوں کو خدا اور رسول کی محبت نصیب ہے ان کا تو کیا ذکر ہے۔

من احب شیئاً اکثر ذکرہٗ : جو لوگ دنیا کی کسی عورت یا کسی امرد پر عاشق ہو جاتے ہیں ان کو دیکھئے کہ ہر بات ہر تذکرہ میں ان کو اس کی یاد لگی رہتی ہے۔ ایک کنجوس کی حکایت ہے کہ اس نے اپنے کسی دوست کو ایک مرغی دے دی تھی۔ اب جب کبھی کسی بات کا تذکرہ آتا اس کو فوراً وہ مرغی یاد آتی کہ زید اس دن گیا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی فلاں واقعہ اس دن ہوا تھا جب ہم نے تم کو مرغی دی تھی۔ غرض جو واقعہ ہوتا اس پر یہی ذکر وہ مرغی ہر واقعہ کے پتہ بتانے میں اس کے لئے ایسی ہوگئی جیسے ہندوستان کے لئے غدر کہ غدر میں یوں ہوا تھا اور غدر میں ہماری عمر نو برس کی تھی تو جیسے ہندوستان کے لئے غدر تاریخ ہوگئی ایسے ہی اس کے لئے ایک مرغی تاریخ ہوگئی آخر اس دوست نے تنگ آ کر مرغی خرید کر اس کے حوالہ کی کہ بھائی تو مرغی لے لی اور اس ذکر کو چھوڑ تو جس چیز کا خیال بندھ جاتا ہے وہ ہر وقت یاد آتی ہے پس جب خدا

اور رسولؐ سے محبت ہو تو اگر ہر بات میں وہی یاد آویں تو کیا تعجب ہے۔ صحابہؓ کرام کی تو یہ حالت تھی کہ بات بات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آجاتا تھا۔ حضرت ہند ابی ہالہؓ کی نسبت حدیث میں ہے کہ کَانَ وَصَّافًا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آخر ہم کو دیکھئے کہ ہم مثلاً حاجی صاحب کے سلسلہ میں ہیں تو ذرا سے بہانے سے اس سلسلہ کے بزرگوں کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس کے قطع کرنے کو جی نہیں چاہتا یہ محض محبت کے سبب سے کسی کو کسی نے کہا ہے ؎

دید مجنون را یکے صحرا نورد
در بیابانِ غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود وانگشتاں قلم
مے نمودے بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں
مینویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشقِ نامِ لیلےٰ می کنم
خاطر خود را تسلّی می دہم

یعنی اگر مسمّٰی میسر نہ ہو تو اسم ہی سہی جب نفسانی کیفیت کی یہ حالت ہے تو خدا کی محبت کی کیا حالت ہوگی ؎

عشق مولیٰ کے کم از لیلےٰ بود
کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

کیا خدا کی محبت لیلےٰ کی محبت سے بھی کم ہے۔ اس کے واسطے تو بہانہ کافی ہے۔

ذکر ولادت اور دیگر حالات حضور کے مساوی درجہ میں ہیں :

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے کہ اس کے واسطے کسی اہتمام کی کیا ضرورت ہے وہ تو ہر بات میں آجانا چاہئے نیز اس کی بھی کیا ضرورت ہے کہ اگر بیان ہو تو صرف ولایت شریفہ اور معجزات ہی کا بیان ہو۔ آپ کی تو ہر ہر بات ذکر کے قابل ہے۔ نشست و برخاست اخلاق وعادات مجاہدات وریاضات۔ افعال واحکام

اوامر و نہی مگر بات یہ ہے کہ انسان کا نفس راحت طلب ہے۔ جس بات میں کچھ کرنا پڑتا ہے اس سے جان چراتا ہے تو ہر بات کے تذکرہ میں چونکہ احکام پر بھی عمل کرنا پڑتا ہے اس لئے اس کو بالکل ترک کر دیا۔

کانپور میں مجھ سے ایک شخص کہنے لگے کہ لوگوں نے تو مولود شریف کے مٹانے کا ایک اور بھی طریقہ ایجاد کیا ہے کہ اس میں نماز و روزہ وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے اللہ اکبر بتلائیے کہ جو لوگ نماز وغیرہ کے تذکرہ کو حضورؐ کے ذکر کا مٹانا کہیں کیا وہ محبّ رسولؐ ہیں صاحبو! یہ سب امور بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہیں۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے مولود کی بابت پوچھا گیا فرمایا کہ میاں ہم تو ہر وقت ذکر مولد کرتے ہیں۔ کیونکہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو ہم یہ کیوں پڑھتے۔ غرض آپ کا ذکر تو ہر وقت ہی ہونا چاہئے۔ پھر آپ کی ہر ادا کا ذکر ہونا چاہئے۔ حتیٰ کہ آپ کے غصہ اور خفگی کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔ محبوب کی تو خفگی اور تیزی بھی محبوب ہوتی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

محبت وہ چیز ہے کہ واللہ العظیم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ اور عتاب کا بھی ذکر ہو تو مزے لے کر ذکر کریں صحابۂ کرام نے اس راز کو سمجھا تھا اور محبت کی یہ دولت ان حضرات کو یہ نصیب تھی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کی محبت کی حکایت : حضرت ابوذر غفاریؓ اکثر آزادی سے پوچھتے تھے اور ان کے مزاج میں تحقیق کا مادہ زیادہ تھا اور وہ ذرا آزاد تھے لیکن ان کا یہ حال تھا۔ ان پر اس سے ملامت بھی نہیں ہو سکتی۔ مولانا کہتے ہیں ؎

گفتگوئے عاشقاں در کار رب
جوشش عشق ست نے ترکِ ادب

بے ادب تر نیست زو کس در جہاں
با ادب تر نیست زو کس در جہاں

باادب تو اس لئے کہ جان و مال سے حاضر ہے اور بے ادب اس معنیٰ کر کہ اس کے الفاظ ذرا بے ٹھکانے ہوتے ہیں غرض حضرت ابوذر غفاریؓ ایک حدیث کے متعلق بار بار دریافت کر رہے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ یعنی تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے مگر اسی طرح ہوگا۔ حدیث یہ تھی کہ جو شخص لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے لگے جنت میں داخل ہو جاوے گا۔ اور حضرت ابوذرؓ کو اس لئے تعجب ہوا کہ انہوں نے نفس ایمان لانے پر دخول اول کو مرتب سمجھا تو حضرت ابوذر غفاریؓ کی یہ حالت تھی کہ جب کہیں اس حدیث کو ذکر کرتے تھے وہیں پیار میں آکر مزے لینے کو یہ بھی کہتے تھے کہ وَاِنْ رَغِمَ اَنْفُ اَبِیْ ذَرٍّ۔

حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی حکایت : حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید حج کو گئے انہوں نے فرمایا کہ جب مدینہ جاؤ تو روضۂ اقدس پر میرا سلام عرض کرنا۔ چنانچہ انہوں نے عرض کیا وہاں سے ارشاد ہوا کہ اپنے بدعتی پیر سے ہمارا بھی سلام کہنا۔ بدعتی اس لئے فرمایا کہ ان سے بعض باتیں بصورت بدعت صادر ہوتی تھیں اگرچہ واقع میں وہ بدعت نہ تھیں یعنی کسی معذوری کی وجہ سے ان سے بعض افعال ظاہر سنت کے خلاف صادر ہو جاتے تھے تو یہ جب واپس آئے تو حضرت شاہ ابوالمعالی صاحب نے پوچھا کہ ہمارا بھی سلام کہا تھا۔ انہوں نے عرض کر دیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے پیر سے ہمارا سلام کہہ دینا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہی لفظ کہو جو وہاں سے ارشاد ہوا ہے۔ مرید نے عرض کیا کہ حضرت جب آپ کو وہ لفظ معلوم ہے تو پھر میرے کہنے کی کیا ضرورت ہے نیز وہ لفظ میں کیسے عرض کروں آپ نے فرمایا گو کہ معلوم ہے مگر سننے میں اور ہی مزا ہے۔ اور میاں تم خود تو نہیں کہتے وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی زبان سے ادا ہوگا۔ آخر انہوں نے وہی لفظ ادا کر دیا پس ان کی یہ حالت ہوئی کہ وجد میں کھڑے ہو گئے اور بے ساختہ یہ شعر زبان پر جاری تھا

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

وجد کرتے تھے اور اس شعر کو پڑھتے تھے خلاصہ یہ ہے کہ محبت وہ چیز ہے جس کے آثار کی نسبت میں میں نے پہلے کہا ہے ؎

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ

ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے

اسی لئے اگر حضورؐ ناخوش بھی ہوتے تھے تو صحابۂ کرامؓ اس کا بھی ذکر لذت لے کر فرمایا کرتے تھے کیوں؟ اس لئے ؎

از محبت تلخہا شیریں بود

فضیلت و ترجیح ذکر افعال واحکام پر ذکر ولادت : تو اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہو تو وہ ذکر مولد میں نماز روزہ کے ذکر کو ناگوار سمجھے گا۔ ہر گز نہیں۔ صاحبو! حضورؐ کا تو اٹھنا بیٹھنا، سونا، جاگنا، حتیٰ کہ حوائج ضروریہ میں مشغول ہونا سب عبادت ہے۔ بلکہ ذکر ولادت سے بھی زیادہ برکت کی چیز ہے۔ یہ احکام اور افعال کا ذکر کرنا اس واسطے کہ حضورؐ کی ولادت شریفہ تو محض ایک ہی حیثیت سے ایک نعمت عظیمہ ہے۔ جس پر شکر کر کے ہم اپنے درجات بڑھالیں۔

حضورؐ کے حالات ولادت شریفہ وغیرہ کے شرعی ضابطہ سے :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واحکام دو حیثیتوں سے نعمت ہیں ایک تو یہ کہ آپ کی بدولتؐ ہم کو ملے تو اس عطا پر شکر کریں اور اپنے درجات بڑھاویں دوسری اس حیثیت سے کہ ہم ان پر عمل کریں اور عمل کر کے قرب الٰہی حاصل کریں۔ نیز تمام شریعت سے غرض یہی ہے کہ ہم اس پر عمل کریں اور قرب خداوندی ہم کو حاصل ہو اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں اپنی ولادت شریفہ کا ذکر تو بہت ہی کم کیا اور احکام کا ذکر بہت زیادہ کیا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تئیس سال تک تبلیغ احکام فرمائی ہے ان تئیس سال میں سے اگر وہ تین سال نکال بھی دیئے جاویں جن میں وحی موخر رہی ہے تو تمام مدت تبلیغ بیس سال ہوتے ہیں۔ ان بیس برس میں تتبع کر کے دیکھا جاوے تو معلوم ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت شریفہ کا جتنے وقت میں ذکر فرمایا ہے اس کی مجموعی مدت غالباً ایک ہفتہ بھی نہ

ہوگی اور اگر ایک ہفتہ مان بھی لیا جاوے تو ذکر ولادت اور ذکر احکام میں یہ نسبت ہوگی کہ ایک ہفتہ کم بیس سال تک تو احکام کی تبلیغ فرمائی اور صرف ایک ہفتہ ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا۔ تو کیا اتباع سنت کے یہی معنیٰ ہیں کہ جس چیز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس برس تک ذکر فرمایا ہے اس کو تو بیس منٹ بھی کبھی ذکر نہ کیا جاوے اور جس کا ذکر تمام مدت تبلیغ میں چند مرتبہ ہی فرمایا ہے۔ اس کو عمر بھر ذکر کیا جاوے۔

قیام مولود کی حقیقت واصل : اتباع سنت تو یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مدت العمر میں جس قدر اپنی ولادت شریفہ کا ذکر فرمایا ہے اسی قدر تم بھی ذکر ولادت کرو اور جتنا احکام کا ذکر فرمایا ہے اسی قدر تم بھی احکام کا ذکر کرو۔ مگر یہ بات ہے کہ ذکر ولادت میں تو یہ آسانی ہے کہ زبان سے ذکر کرلیا اور اس میں کھڑے ہو گئے اور اگر کسی متبع سنت نے اس میں احتیاط سے کام لیا تو اس پر ملامت کی بوچھاڑ شروع کردی۔ کہیں اس کو وہابی کہنا شروع کردیا کہیں تکفیر کردی میں کھڑے ہونے کو فی نفسہ منع نہیں کرتا لیکن یہ بھی تو سمجھو کہ اس کی حقیقت کیا ہے کہ یہ ایک وجد ہے اور وجد ہوتا ہے واردات پر۔

محققین کے تصنع سے بچنے کی حکایتیں : بغیر کسی وارادت کے وجد کی یہ صورت بنانا نہایت درجہ تصنع ہے محققین نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک شخص کے منہ سے باآواز بلند لفظ اللہ نکل گیا آپ نے فرمایا کہ آہستہ کہو۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر اسی طرح کہا اللہ آپ نے فرمایا کہ اس کو مجلس سے اٹھادو۔ کیونکہ آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ یہ شخص بدون مغلوبیت کے کہہ رہا ہے۔ حضرت جنیدؒ کی مجلس میں ایک خوش آواز نے ایک شعر پڑھ دیا اس کو سن کر ایک صوفی کو وجد شروع ہوا۔ لیکن جنیدؒ اسی طرح بیٹھے رہے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت آپ کو وجد نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ کہ میاں تم سمجھتے ہو کہ ہم کو حرکت نہیں ہوئی۔ حالانکہ ہم خدا جانے کہاں سے کہاں پہونچ گئے ہیں۔ مگر وہ حرکت تم کو محسوس نہیں ہوئی اور یہ کیا ضرور ہے کہ اگر کوئی وارد ہو تو اس کو ظاہر ہی کردیا جاوے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک بار وعظ

میں بیان فرمایا۔ بعضوں نے متاثر ہو کر کپڑے پھاڑ ڈالے اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ ان سے فرما دیجئے کہ دلوں کو پھاڑو کپڑے پھاڑنے سے کیا ہوتا ہے۔ مگر اس سے کپڑے پھاڑنے والوں پر اعتراض مقصود نہیں اس کا بھی ایک درجہ ہے۔ حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست
کہ غرق ست ازاں می زند پاؤ دست

بہ تسلیم سرد گریباں بر بند
چو طاقت نماند گریباں درند

کہ جب بالکل از خود رفتہ ہو جاتے ہیں تو کپڑے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ اب یہ تھوڑا ہی جائز ہوگا کہ خواہ مخواہ کپڑے پھاڑنے شروع کر دے جیسے کانپور میں ایک صاحب نے کسی کے مکان پر مولد پڑھا آپ کے پاس کرتا پرانا تھا جی چاہا کہ نذرانہ کے ساتھ صاحب خانہ سے ایک کرتہ بھی وصول کریں آپ نے بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر پہونچ کر نہایت زور سے ایک وجدی حالت پیدا کی اور کرتہ پھاڑ ڈالا آخر صاحب خانہ نے نذرانہ بھی دیا اور شرم کے مارے ایک نیا کرتہ بھی بنا دیا اب بتلائیے کہ ہم اب بھی اگر منع نہ کریں تو کیا کریں ؎

اگر بینم کہ نابینا وچاہ ست
اگر خاموش بنشینم گناہ ست

قیام مجلس مولد مروجہ سے ہمارا منع کرنا موجہ ہے : ایسے ہی لوگوں کی حالت تباہ دیکھ کر ہماری زبان کھلتی ہے اور ہم کو مجبور ہو کر منع کرنا پڑتا ہے بعض خیر خواہ کہتے ہیں کہ اس میں گفتگو کرنے سے عوام میں بدنامی ہوتی ہے مگر آخر کب تک بدنامی کے خوف سے خاموش رہیں گے۔ خامشی ہی کی بدولت تو یہ منکرات بڑھتے چلے جاتے ہیں اہل حق کا ملامت و بدنامی کے باب میں یہ مذہب ہونا چاہئے کہ ؎

ساقیا برخیز و در دہ جام را
خاک بر سر کن غمِ ایام را

گرچہ بدنامی ست نزدِ عاقلاں
مانمی خواہیم ننگ ونام را

حضرت بایزید بسطامیؒ بدنامی سے نہ ڈرے۔ منصور نہ ڈرے اور بضرورت غلبۂ حال کیا کیا کہا مگر سب نے ان کے اقوال کی تاویل کی تو علماء جو بضرورت غلبۂ اصلاح شریعت کے موافق کہتے ہیں ان پر کیوں ملامت ہوتی ہے اور ان کے قول کو قبول کیوں نہیں کرتے۔

ہم نفس قیام سے منع نہیں کرتے ہیں : غرض ہم نفس قیام کو منع نہیں کرتے۔ مگر قیام حرکت وجد یہ ہے اور یہ وارد ہوتی ہے تو اگر کوئی شخص وارد کے غلبہ سے مضطر ہو جائے تو اس کو جائز ہے مگر یہ یاد رہے کہ وہ اضطرار کسی خاص مضمون کے ساتھ مخصوص نہ ہوگا۔ اور ابتدا اس کی اس طرح ہوئی ہے کہ ایک شخص مضطر ہو کر کھڑا ہو گیا ہے اس کی حالت کی تائید میں اور اس حالت مستحسنہ کو باقی رکھنے کے واسطے حاضرین مجلس بھی کھڑے ہو گئے اور اس کو علامہ غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ایک شخص وجد سے کھڑا ہو جاوے تو اس کے ساتھ سب کو کھڑا ہونا چاہئے کیونکہ اس میں تانیس اور اس کی حالت کا ابقاء ہے۔

قیام وجدی میں تمام کے اہل قیام کی وجہ : علیٰ ہٰذا حضرت شیخ گنگوہیؒ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی کوئی کیفیت ہو وہ کیفیت خدا تعالیٰ کی مہمان ہے اس کی قدر کرو اور اس کی قدر میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے اس کا دل بجھ جاوے اور وہ کیفیت جاتی رہے غرض صوفیہ نے اس کی کیفیت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ لیکن مجلس بھر میں اول جو شخص کھڑا ہوگا۔ اس کو ہرگز جائز نہیں کہ وہ مکر کرے۔

شاہجہاں پور کے ایک صوفی کی حکایت : میں شاہجہاں پور میں ایک صوفی سے ملا ہوں کہ وہ سماع سنتے تھے مگر مکار وہ متصنع نہ تھے۔ اور ان میں یہ بات نہایت غنیمت تھی کہ وہ مسائل کو علماء سے پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سماع سنتے تھے کہ مجلس میں ایک شخص نے کھڑے ہو کر چٹکیاں بجانی شروع کر دیں۔ انہوں نے فرمایا

کہ بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر اٹھا اور چٹکیاں بجانی شروع کردیں انہوں نے پھر بٹھلا دیا۔ تیسری مرتبہ وہ پھر اٹھا تو انھوں نے مجلس سے نکلوا دیا۔ غرض محققین صوفیہ اس کا بہت خیال کرتے تھے۔

ہم قیام رسمی کو منع کرتے ہیں نہ کہ حالت وجدیہ کو : غرض قیام کی ابتداء یوں ہوئی کہ اول کسی کو وجد ہوا پھر بلا وجد ہی اس کو رسم کرلیا اور ہم اس رسم ہی کو منع کرتے ہیں۔ حالت کو منع نہیں کرتے کیونکہ حالت تو غیر اختیاری ہے اس کو کیونکر منع کیا جاسکتا ہے۔ شیخ شیرازیؒ اسی کو کہتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست

کہ غرق ست ازاں میزند پاؤ دست

مولودیوں میں کسی کے اندر بھی قیام کی شرائط موجود نہیں : ایسے شخص پر کون اعتراض کرسکتا ہے ہرگز نہیں مگر ایسے کتنے ہیں آپ سو پچاس مولودیوں کو دیکھئے تو وہاں ایک بھی ایسا نہ ملے گا۔ اور اگر ہوں گے بھی تو بمشکل ایک دو باقی سب خشک اور میں تو منع کر کے کہتا ہوں کہ اگر یہ فعل صرف رسم کے مرتبہ میں رہتا تب بھی خیر ممکن تھا کہ اس پر خاموشی کی جاتی۔ مگر اب یہ تو غضب ہے کہ اس سے اعتقاد بھی خراب ہونے لگا ہے۔

قیام مولد رسم ہی کے مرتبہ میں نہیں رہا بلکہ فساد عقائد تک نوبت پہونچتی ہے

بعض لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ اور اگر دلیل میں کسی کا کشف پیش کیا جاوے تو اول تو ممکن ہے کہ کشف صحیح نہ ہو۔ دوسرے اگر کشف صحیح بھی ہو تو اس کا خلاصہ یہ ہوگا کہ کسی مجلس خاص میں کسی صاحب کشف کو ایسا مکشوف ہوا تو اس سے دوام پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہے اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جب ایسا ہوگا تو ایسا بھی ہوگا یعنی جب مولد ہوگا تشریف آوری ضرور ہوگی۔ لزوم اور دوام کے لئے تو کسی مستقل دلیل کی ضرورت ہے وَاِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ تو یہ اعتقاد بے بنیاد اور خلاف شریعت ہوا تو اس کی اصلاح واجب ہوئی۔

بعض لوگ ترک قیام کو ترک ادب سمجھتے ہیں : اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف تو نہیں لاتے لیکن اس ذکر کے وقت جو شخص قیام نہ کرے وہ بے ادب ہے۔ لہٰذا قیام کرنا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث شریف میں صحابہؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ کُنَّا لَا نَقُوْمُ لَهٗ لِمَا کُنَّا نَعْرِفُ مِنْ کَرَاهِیَتِهٖ لَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تو کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہے کہ صحابہؓ کرامؓ کو گستاخ کہے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ جب خود مذکور کے قرب کے وقت ترک قیام بے ادبی نہیں تو ذکر شریف کے وقت وہ خلاف ادب کیسے ہوگا نیز اگر حضورؐ کے ذکر مبارک پر قیام نہ کرنا ترک ادب ہے تو میں دعویٰ کرتا ہوں کہ جتنے متبعین قیام و مدعیان محبت ہیں سب کے سب بے ادب ہیں کیونکہ یہ لوگ صرف اسی مجلس خاص میں حضورؐ کے ذکر مبارک پر قیام کرتے ہیں اور دوسرے مواقع پر جب آپ کا ذکر مبارک ہوتا ہے جیسے مثلاً اب میں ذکر کر رہا ہوں تو ان میں سے ایک بھی قیام نہیں کرتا۔ غرض لوگوں نے اس میں یہ غلو کر لیا ہے اس لئے اس کی اصلاح ضروری ہے یہ تحقیق تھی قیام کی باقی ذکر ولادت شریفہ کی نسبت میں عرض کر چکا ہوں کہ جب ذکر ولادت شریفہ سے زیادہ ذکر احکام موجب برکت ہے تو ان کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔

حضورؐ کے تمام احکام و افعال کا ذکر حضورؐ ہی کا ذکر ہے

صاحبو! یہ سب ذکر رسولؐ ہی ہیں ؂

ہر چہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

ایک شاعر نے کہا ہے ؂

گلستاں میں جا کر ہر ایک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

مگر اس میں ایک صاحب حال نے اصلاح دی ہے کہ ؂

گلستاں میں جا کر ہر ایک گل کو دیکھا
تری ہی سی رنگت تری ہی سی بو ہے

مصلح کا مطلب یہ تھا کہ شاعر تو نابینا تھا اس کو نظر نہ آیا۔ حالانکہ وہاں ہر ایک سے تیرا ہی جلوہ نظر آرہا ہے اسی کو فارسی میں کہا ہے ؎

ہرچہ بینم در جہاں غیر تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

تو اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے تو جیسا ذکر ولادت آپ کا ذکر ہے ایسا ہی لَاتَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً بھی آپ کا ذکر ہے اور قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ بھی آپ کا ذکر ہے اور اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ بھی آپ کا ذکر ہے مگر بات یہ ہے کہ ایک جگہ تو کرنے کا کام وہ نفس پر گراں گزرتا ہے اور دوسری جگہ کچھ کرنا پڑتا نہیں اور چلتے وقت نذرانہ ملتا ہے اور بہت سا مٹھائی کا حصہ مل جاتا ہے۔

اہل مولود کی محبت رسولؐ کی مثال : صاحبو! یہ محبت تو ایسی ہے جیسے سفر میں ایک شخص کی رفاقت تھی کہ اس کے رفیق نے کھانا تیار کرنے کی نسبت جب کسی کام کو کہا تو اس نے کوئی نہ کوئی عذر کر دیا سب سے اخیر میں جب کھانا تیار ہو چکا اس کے ساتھی نے کہا کہ یہاں آؤ کھانا تو کھالو کہنے لگا کہ مجھے انکار کرتے ہوئے بہت دیر ہوگئی ہے اب ہر بات میں انکار کرتے ہوئے شرم آتی ہے تم کہو گے کہ سخت نافرمان آدمی ہے کسی بات کو بھی نہیں مانتا۔ لاؤ خیر کھانا تو کھا ہی لوں بس جیسی یہ رفاقت تھی کہ مشقت میں عذر اور حظ نفس میں موافقت ایسی ہی یہ محبت ہے کہ مشقت کی چیزوں کا تو ذکر نہیں اور جس میں نفس کی خوشی تھی اس میں سرخرو ہو گئے تو جناب اگر محبت رسولؐ اس کا نام ہے تو محبت کو سلام ہے محبت تو یہ ہے۔

ایک صحابی کی سچی محبت نبوی کی حکایت : ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں کسی مقام پر تشریف لے گئے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک مکان قبہ دار گچ سے بنا ہوا ہے آپ نے دیکھ کر دریافت فرمایا کس کا مکان ہے صحابہؓ نے عرض کیا کہ فلاں شخص کا ہے آپ سن کر خاموش ہو رہے دوسرے وقت جب اس گھر کے مالک حضور صلی اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے دوسری طرف منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا آپ نے ادھر سے بھی رخ پھیر لیا۔ آخر انہوں نے دوسرے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ آج کیا بات ہوئی صحابہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کچھ ہم کو معلوم نہیں اتنا معلوم ہے کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے مکان کو دیکھا تھا اس وقت سے خاموش گویا صحابہؓ کا گمان ہی تھا مگر ان بزرگ عاشق نے صرف گمان ہی پر اتنا سنتے فوراً جا کر تمام مکان کو گرادیا گویا بزبان حال یہ کہتے تھے کہ ؎

بہر چہ از دوست دامانی چہ کفر آں حرف و چہ ایماں
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آن نفس و زچہ زیبا

اور یہ کہتے تھے ؎

ہر چہ جز ذکر خدائے احسن ست
گر شکر خواری ست آن جاں کندن ست

اور عجیب تر لطف اس محبت کا دیکھئے کہ اس کو گرا کر جتلایا تک نہیں اور کیوں جتلائیں اگر مکان گرادیا تو آپ پر کیا احسان کیا۔ آخر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ خود ہی اس طرف تشریف لے گئے اور وہاں مکان نہیں پایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ مکان کیا ہوا۔ اور صحابہؓ نے عرض کیا کہ حضور فلاں شخص نے اسی روز اس کو گرادیا تھا تب آپ کو خبر ہوئی اور اس وقت آپ نے تعمیر کے تکلفات کی مذمت بیان فرمائی۔

سچی محبت کے آثار : حضرت محبت تو یہ ہے کہ انسان اپنے مال اور جان سب کو فدا کردے نہ یہ کہ خالی مزہ دار حکایت بیان کرے اور بس۔ اب ربیع الاول کا مہینہ ہے اس میں بہت جگہ مولود ہوا ہوگا ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ تم اپنے حظ کو تو محفوظ رکھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام پر جو اس وقت سخت مصیبت آرہی ہے اور وہ ڈانواڈال ہورہا ہے اس کی تم نے کیا مدد کی اس کو کیا سہارا پہونچایا۔

رسم جدید عید میلادالنبیؐ اور اس کے مقاصد : افسوس ہے کہ امسال بجائے اس مہم امداد اسلام کے بعض مقامات پر محض عید میلادالنبیؐ کے منانے کو

مٹھائی کے واسطے چھ سو روپیہ کا چندہ ہوا۔ ایک وہ مسلمان ہیں کہ اسلام کی خدمت کے لئے اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں اور ایک یہ ہیں۔ ان کو مٹھائی کھانے کی سوجھ رہی ہے ہماری وہ حالت ہے کہ ؂

اے ترا خاری بہ پا نشکستہ کے دانی کہ چیست
حالِ شیرازنی کہ شمشیر بلا برسد خورند

اس بے حسی اور بے تمیزی کی حالت کو دیکھ کر کسی نے پریشان ہو کر کہہ دیا ہے کہ ؂

اب بسرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق ومغرب خراب

پھر غضب یہ کہ اس چھ سو روپیہ کو مٹھائی میں بھی صرف نہیں کیا بلکہ اس سے مسجد کو سجایا گیا جس میں بیان تھا اور سجایا بھی ہندوؤں کے طرز پر اس میں ایک چھتر بنایا گیا جھالر لٹکائی گئی۔ بہر حال اس مسجد کو ایسا بنایا جیسا معلوم ہو کہ کسی ہندو نے اپنے گھر کو سجایا ہے کیا اس کو محبت کہیں گے۔ ہاں محبت تو ہے مگر اپنے ہی نفس کی۔ ان سے قسم دے کر پوچھا جاوے کہ اگر اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے اور آپ سے دریافت کیا جاتا کہ یہ چھ سو روپیہ ہم مٹھائی میں صرف کر دیں یا آپ کے جانبازوں پر لگا دیں تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ رائے دیتے کہ مٹھائی میں صرف کر دو۔ صاحبو کیا کسی دردمند کو ایسے وقت مٹھائی کا کھانا بھلا معلوم ہو سکتا ہے۔ ہائے کس منہ سے ایسی حالت میں بھی لوگوں سے مٹھائی کھائی جاتی ہو گی۔ کیسی بے حسی ہے۔ کتنا بڑا ظلم ہے۔ اور پھر غضب یہ ہے کہ یہ لوگ دعویٰ محبت کرتے ہیں کیوں صاحب آپ نے تو مولود شریف کیا اور ترکوں نے اپنی جان لڑائی تو کون شخص محبِ رسولؐ ہوا۔

اہل بدعت کو اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے : آپ نے ساری محبت کا خلاصہ یہ نکالا ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ مولود کر لیا صاحبو ہمارے جی کو تو یہ محبت نہیں لگتی بلکہ واقعی ان کے جی کو بھی نہیں لگتی مگر رسم اور اہل حق کی ضد نے مجبور کر رکھا ہے۔

اہل حق سے ایک ضد کرنے والے کی حکایت : ایک صاحب

نے ایک اہل حق کی نسبت یہ کہا تھا کہ میں ان کا اس قدر مخالف ہوں کہ اگر یہ کسی چیز کو حلال کہیں گے تو میں اس کو حرام کہوں گا اس کے بالعکس اہل حق نے جواب میں کہا کہ میں تو ماں سے نکاح کرنے کو حرام کہتا ہوں اب آپ اس کو حلال کہئے اور میں تو کلمۂ شہادت کو حلال کہتا ہوں آپ حرام کہئے وہ مدعی صاحب دم بخود رہ گئے مگر چند روز کے بعد ان کے ایک شاگرد صاحب پیدا ہوئے کہ میرے استاد کے قول کا مطلب ہی نہیں سمجھتے تھے ان کا مطلب یہ تھا کہ اپنی طرف سے جس کو حلال یا حرام کہیں گے۔ سبحان اللہ کون مسلمان ہے کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام یا حلال کہہ دے گا۔ علیٰ ھذا ایک اور قصہ ضد کا مجھے یاد آیا کہ دہلی میں ایک شخص نے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کی بھی دعوت کی اور بعض ان کے مخالفین کی بھی اور ہر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں ہونے دی۔ جب سب جمع ہو گئے اور کھانا سامنے آیا تو میزبان نے کہا کہ صاحب یہ شیخ سدو کا بکرا میں نے پکایا ہے اب جس کا جی چاہے کھاؤ اور جس کا جی نہ چاہے نہ کھاؤ شاہ اسحاق صاحبؒ تو شیخ سدو کے بکرے کو حرام فرماتے تھے انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کے ساتھ ان کے مخالفین نے بھی ہاتھ کھینچ لیا صاحب خانہ نے ان سے پوچھا کہ آپ تو اس کو جائز کہتے ہیں۔ آپ نے کیوں ہاتھ روکا کہنے لگے کہ بھائی ہے تو حرام ہی مگر ان کی ضد میں اس کو حلال کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ بھی اسی زمانہ کے لوگ تھے۔ آج تو ہرگز بھی اس کا اقرار نہ کریں بلکہ حرام بھی کھا جائیں۔

بعض لوگ مجلس ولادت مروج کو باعث برکت جانتے ہیں :

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ ان کو ضد نہیں ہے مگر وہ اس لئے مولود کرتے ہیں کہ سال بھر تک برکت رہے گی رشوت لیں گے تو اس کا وبال نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ رنڈیاں تک مولود کراتی ہیں۔ جن کو کچھ بھی مناسبت دینی اعمال سے نہیں ہے اور بعض لوگ محض اس لئے مولود کراتے ہیں کہ اس کی بدولت کسی تقریب میں رونق ہو جاوے گی۔

بعض لوگ رونقِ تقریب کے لئے مولود کرتے ہیں :

چنانچہ کانپور میں ایک صاحب نے اپنے لڑکے کی شادی کی اور اس میں ناچ کرانا چاہا لیکن چونکہ بعض احباب ان کے ایسے بھی تھے کہ وہ ناچ میں شریک ہونا پسند نہ کرتے تھے اس

ضرورت سے رونق مجلس پوری کرنے کو انھوں نے مولود بھی کرایا چنانچہ پہلے مولود ہوا اور اگلے دن اسی جگہ رنڈی کا ناچ ہوا۔ اب بتلایئے کہ جب یہاں تک نوبت پہونچ جائے تو کیوں کر خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے غرض محبت کی علامت میں نے بتلادی کہ محبوب کی ہر بات کا ذکر ہو ولادت شریف کا بھی رضاعت کا بھی آپ کی سخاوت کا عبادات کا اوراس میں نہ کسی مہینہ کی کچھ تخصیص ہے نہ کسی مقام کی پس میں بھی اس وقت ربیع الاول کی تخصیص سے یہ ذکر نہیں کررہا ہوں گو اگر یہ تخصیص رسم لازم کے درجہ میں پہونچتی تو اس تخصیص عملی کا بھی مضائقہ نہیں تھا۔ لیکن اب تو اس عارض لزوم علمی یا عملی کی وجہ سے اس کو اصلاً پسند نہیں کرتا۔ یعنی ایسے شخص کے لئے بھی پسند نہیں کرتا جو معتقد لزوم کا نہ ہو۔ کیونکہ یہ خود اس کے لئے یا کسی دوسرے کے لئے اس لزوم تک مفضی ہوجاوے گا اور اس ناپسندیدگی اور ممانعت کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی طبیب مریض کو دو تولہ کے چار تولہ استعمال کرلے اور پھر تکلیف اٹھائے۔

ہمارا مسلک واعتقاد مولود کے بارے میں : ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ بلا تخصیص لازم اس ماہ میں بھی جائز ہے لیکن اجازت نہ دی جاوے گی کیونکہ مطلقاً اجازت دینے سے آئندہ پھر اعتقاد کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے بس یہ ہے ہمارا مسلک۔ اب اس کے سن لینے کے بعد ہم پر جس کا جو جی چاہے تہمت لگائے غرض اس وقت ذکر کی یہ وجہ نہیں ہے کہ تخصیص زمانہ کی مقصود ہے بلکہ دو وجہ ہیں ایک (۱) یہ کہ اس وقت مختلف اطراف سے طاعون کی خبریں آرہی ہیں۔

طاعون کا علاج حضور کا ذکر شریف ہے : طاعون کا ایک معتبر علاج منجملہ اور علاجوں کے ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی ہے اور یہ علاج تجربہ میں آیا ہے۔ یعنی میں نے ایک کتاب نشر الطیب لکھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں اس کے لکھنے کے زمانہ میں خود اس قصبہ میں طاعون تھا تو میں نے یہ تجربہ کیا

---

(۱) اور دوسری وجہ وعظ میں یاد نہ رہی تھی۔ گو وعظ میں اس کا بیان آگیا تھا مگر اس عنوان سے نہ آیا تھا کہ دوسری وجہ یہ ہے مگر وعظ کے اثنائے مضمون میں خطوط وحدانیہ میں اس کا اضافہ جامع سے کرادیا گیا چنانچہ عنقریب ہی وہ مقام ملے گا۔۱۲

کہ جس روز اس کا کچھ حصہ لکھا جاتا تھا اس روز کوئی حادثہ نہیں سنا جاتا تھا۔ اور جس روز وہ ناغہ ہو جاتی تھی۔ اسی روز دو چار اموات سننے میں آتی تھیں۔ ابتداء میں تو میں نے اس کو اتفاق پر محمول کیا لیکن جب کئی مرتبہ ایسا ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی برکت ہے آخر میں نے یہ التزام کیا کہ روزانہ کچھ حصہ اس کا ضرور لکھ لیتا تھا۔ آج کل بھی لوگوں نے مجھے طاعون ہونے کے متعلق اطراف وجوانب سے لکھا ہے تو میں نے ان کو بھی جواب میں یہی لکھا ہے کہ نشر الطیب پڑھا کرو مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مجلس منعقد کی جاوے اور اس میں مٹھائی منگائی جاوے اور ایک شخص بیٹھ کر پڑھے اور سب سنیں۔ کیونکہ ان التزامات میں تو علاوہ اور مذکورہ خرابیوں کے یہ بھی کمی ہوگی کہ کبھی ہوگا کبھی نہ ہوگا کیونکہ اس قدر التزامات کے ساتھ دوام مشکل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ دوسرے وظائف کی طرح سے روزمرہ اس کا بھی وظیفہ مقرر کر لیا جاوے یہ نہیں کہ سال بھر میں ایک دو دفعہ مقرر تاریخوں پر کر لیا اہل محرم کی طرح اور پھر سال بھر کروٹ بھی نہ لی۔

ایک شاعر کی حکایت : مجھے ایک حکایت یاد آئی کہ ایک شاعر حلب پہونچا وہاں شہر کے شیعہ ماتم کر رہے تھے اس نے پوچھا کیا آج کوئی مر گیا ہے لوگوں نے کہا تو دیوانہ ہے معلوم ہوتا ہے تو شیعی نہیں ارے یہ دن شہادت امام کا ہے کہنے لگا اللہ اکبر یہاں آج اتنے دنوں کی بعد خبر پہونچی ہے یا تم لوگ سوتے تھے۔ اسی طرح ہمارے ان مدعیان محبت رسول کی بھی یہی حالت ہے کہ سال بھر تک غافل رہتے ہیں پھر چونکتے ہیں۔

حضورؐ کے ذکر کی ترغیب اور روایات موضوعہ ولغویات سے تحذیر :
میں کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہر وقت کرو اور ایسی کتاب اپنے وظائف کے ساتھ رکھو مگر مولود غلام امام شہید اور غیر معتبر کتاب نہیں اس قسم کی کتابیں تو بالکل بے سروپا ہیں اور بعض میں ایسے اشعار خرافات بھرے ہیں کہ نعت کے اشعار میں بعض مضامین کفر تک پہونچ گئے ہیں نیز ان کے پڑھنے والے بھی میں نے دیکھے ہیں کہ امرد پرست تارک صلوٰۃ وصوم آج کل کچھ ایسا مذاق بگڑ گیا ہے کہ لوگوں کو اس قسم کے امور کی ذرا حس نہیں رہتی۔ میں ایک جگہ بیان کرنے لئے گیا اس روز مجھے اتفاق سے زکام

ہو رہا تھا بیان سننے کے بعد ایک صاحب نے یہ اعتراض کیا کہ خوش الحان نہیں ہے میں نے دل میں کہا کہ بھائی میں ڈوم کا لڑکا نہیں ہوں کہ مجھ میں خوش الحانی ہوتی خدا کا شکر ہے کہ میں ایک شریف کی اولاد ہوں مجھے خوش الحانی و بد الحانی سے کیا واسطہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اپنے ابتدائے زمانہ میں اجمیر تشریف رکھتے تھے وہاں ایک شخص سید فن موسیقی میں کامل تھے مولانا کو چونکہ ہر فن کی تحصیل کا شوق تھا۔ اس لئے مولانا نے چندے ان سے اس فن کے اصول کو سیکھا تھا لیکن اللہ والے اگر کوئی معمولی نفع بھی کسی سے حاصل کرتے ہیں تو اس دوسرے کو بھی دینی نفع پہونچاتے ہیں۔

حضرت سلطان جی کی حکایت : اس پر مجھے ایک اور حکایت مسموع یاد آئی۔ حضرت سلطان نظام الدینؒ کی کہ آپ بیمار ہو گئے تھے۔ حتیٰ کہ خدام کو بالکل مایوسی ہو گئی تھی۔ اس زمانہ میں دہلی میں ایک شخص رہتا تھا کافر کہ وہ توجہ سے مرض کو سلب کر لیتا تھا۔ خدام نے آپ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو اس کو بلا لیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ اس میں سخت فتنہ ہو گا اور میرا کیا ہے زندہ رہا نہ رہا اس کے بعد آپ کو پھر بے ہوشی طاری ہو گئی اسی حالت بے ہوشی میں خدام آپ کو اس کے گھر لے گئے۔ اس کے لئے تو حضرت کا تشریف لے جانا موجب فخر ہو گیا فوراً اس نے توجہ کی اور حضرت کا تمام مرض سلب کر دیا اسی وقت حضرت کو افاقہ ہوا آپ نے دیکھا کہ میں ایک ملحد کے مکان میں ہوں اور مرض بالکل زائل ہو گیا ہے۔ آپ سمجھ گئے اور خیال ہوا کہ هَلُ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ اس کو بھی اس نفع کا صلہ دینا چاہئے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ میاں یہ کمال تم میں کس بات سے پیدا ہوا اس نے کہا کہ صرف ایک بات سے وہ یہ کہ میرے گرو نے کہہ دیا تھا کہ جس بات کو جی چاہے وہ نہ کرنا بس میں یہی مجاہدہ کرتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ سچ کہنا کیا مسلمان ہونے کو جی چاہتا ہے کہنے لگا نہیں فرمایا کہ پھر اسی قاعدہ کے موافق مسلمان ہونا چاہئے۔ کچھ تو حضرت کی توجہ کچھ اس تعلیم کا خیال وہ ایسا مغلوب ہوا کہ کچھ بن نہ پڑا اور مسلمان ہو گیا اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ساتھ ساتھ ہو لیا غرض اللہ کے بندے ہر جگہ فیض ہی پہونچاتے ہیں۔ اسی طرح مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے ان سے سیکھا تو ہو گا۔ ہفتہ دو ہفتہ ہی تک مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز کے بعد ان کی ہدایت کا سامان پیدا ہوا۔ اس طرح

سے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا کہ وہ بھی اس فن میں ماہر تھا۔ اس نے کچھ سنانے کی فرمائش کی انہوں نے سنایا جب سنا چکے تو وہ کہنے لگے کہ سبحان اللہ کیا گلا پایا ہے یہ جملہ سن کر ان کو سخت غصہ آیا اور کہا کہ افسوس اتنی محنت کا یہ صلہ ملا کہ میری وہ تعریف کی گئی جو ایک ڈوم کی ہو سکتی ہے اور عہد کیا کہ اس کے بعد پھر کبھی اس مہمل کام کے پاس بھی نہ جاؤں گا۔ پس مولانا کی برکت سے تائب ہو گئے اور اخیر راگ یہ دین کا رہا۔

آج کل کے لوگ خوش الحانی کے طالب ہیں : آج کل لوگ خوش الحانی کو تلاش کرتے ہیں چنانچہ میرے بیان میں یہ عیب نکالا کہ خوش الحانی نہیں ہے میں نے کہا کہ بھائی انسان تو ہوں۔ آواز منہ سے نکلتی ہے دوسرے کے کانوں تک پہونچ جاتی ہے جو مضامین کی تبلیغ میں کافی ہے میں خوش الحانی و بدالحانی کو کیا جانوں اور میں تو اس کو بھی پسند نہیں کرتا کہ آواز کے درست کرنے کے لئے گلے پر حلوے باندھے جائیں جیسا کہ آج بعض قراء کا معمول ہے۔

آواز صاف کرنے کا عجیب طریق : ممکن ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو کہ حدیث میں آیا ہے کہ قرآن خوش آوازی سے پڑھو اس لیے حلوے باندھتے ہیں تو جناب جہاں حدیث پڑھی ہے اس کی تفسیر بھی تو پڑھی ہوتی اسی حدیث میں راوی کہتے ہیں کہ خوش آوازی یہ ہے کہ پڑھتے ہوئے ایسا معلوم ہو کہ اس کے دل میں خدا کا خوف بھرا ہوا ہے اور اگر بلغم کا صاف کرنا مقصود ہے تو میں اس کا ایک دوسرا طریقہ بتلاتا ہوں اس طریق سے صاف کرو۔ عشق خدا پیدا کرو کہ سب رطوبات خود خاکستر ہو جاویں گے خوب فرمایا ہے ؎

عشق آں شعلہ ست کو چوں برفروخت
ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

تیغ لا در قتل غیر حق براند
درنگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

ماند الا اللہ وباقی جملہ رفت
مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

باقی اگر کوئی کہے کہ یہ تو ایک شاعرانہ نکتہ ہے اس کو بلغم سے کیا واسطہ تو سمجھو کہ یہ سب رطوبتیں ہیں اور محبت کی آگ میں زائد رطوبت ہی نہ رہے گی۔

عاشق کے موٹا نہ ہونے کی معافی و مطلب : آپ نے کبھی عاشق کو موٹا نہ دیکھا ہوگا۔ لیکن یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی عاشق قدرتی موٹا بھی نہ ہوگا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کھا کھا کر بے فکری سے جو انسان پھول جاتا ہے وہ بات اس میں نہ ہوگی کیونکہ وہاں تو ہر وقت سوختن و گداختن ہے تو اس نسخہ سے ویسے ہی گلا صاف رہے گا ایسے موٹے ہونے کی نسبت حدیث میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَبْغُضُ الْحِبَرَ السَّمِیْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کو موٹے عالم سے نفرت ہے مگر وہی بے فکری کا پھولا ہوا نہ وہ جو طبعی وفطری ایسا ہو اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا کہ میں اپنے لڑکپن میں شہر میرٹھ میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا اور میرے قریب ہی ایک اور مولوی صاحب بیٹھے ہوئے تھے اور ذرا موٹے تھے وہاں ایک شخص رجب علی تھے وہ ان مولوی صاحب سے اکثر مزاح کیا کرتے تھے اس وقت وہ بھی آئے اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم اس قدر دبلے کیوں ہو رہے ہو میں نے ظریفانہ کہا کہ بھائی حدیث میں ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْغُضُ الْحِبَرَ السَّمِیْنَ اس واسطے میں دبلا ہوں اور مجھ کو یہ خیال نہ رہا کہ یہاں مولوی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں رجب علی ان مولوی صاحب کی طرف منہ کر کے کہتے ہیں کہ مولوی صاحب آپ سنتے ہیں اس وقت مجھے تنبہ ہوا کہ یہ بھی بیٹھے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوا اور میں نے کہا کہ مطلب یہ ہے کہ جو کھا کھا کر بے فکری میں موٹا ہو کہنے لگے جناب اب آپ جو مطلب چاہیں بیان کریں باقی حدیث مولوی صاحب پر صادق ہی آگئی خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مگر مطلب حدیث کا یہی ہے کہ جو بے فکر کھا کھا کر موٹا ہو۔

غرض نسخۂ عشق سے بلغم میں زیادتی نہ ہوگی پھر یہ کہ حلوا گلے کے اندر جانے کے لئے بنا ہے نہ کہ گلے کے اوپر باندھنے کے لئے۔ ہاں اگر کوئی ایسا کرے کہ باندھ کر پھر کھا بھی لے تو دوسری بات ہے لیکن اس کو کون کرے گا اگر چہ میں نے بعض ایسے لطیف المزاج لوگوں کی حکایت بھی سنی ہے کہ انھوں نے پان منہ سے نکال کر رکھ دیا اور کھانا کھا کر پھر اس کو کھالیا تو خوش الحانی کے وہ معنی نہیں ہیں جو حلوا باندھنے سے حاصل ہو بلکہ اس کے وہ معنی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے کہ اگر کوئی اس کو پڑھتے ہوئے سنے تو یوں سمجھے کہ خوف

خدا سے اس کا قلب لبریز ہے۔

خوش الحانی مطلوب کی حقیقت : مگر لوگ آج کل خوش الحانی کو ڈھونڈھتے ہیں۔ چنانچہ پڑھنے والے اپنے ساتھ خوش آوازوں کو رکھتے ہیں۔ اکثر تین تین چار چار مرد اور نوجوان لڑکے رہتے ہیں کہ وہ گلے ملا ملا کر گاتے ہیں۔

حضورؐ کے ذکر شریف کا طریق : سو ان رسوم کو تو چھوڑو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک تو غذا ہے اس میں کسی وقت کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کی کتابیں لے کر جن میں صحیح حالات ہوں اگرچہ ان میں ایک شعر بھی نہ ہو اس کو روزانہ پڑھا کرو اس لئے میرا بہت روز سی جی چاہتا ہے کہ کوئی صحیح ومعتبر کتاب لکھ دوں چنانچہ بحمد اللہ وہ کتاب تیار ہوگئی اور بفضلہٖ (۱) تعالیٰ چھپ بھی گئی اور میں نے اس کتاب میں اس کی بھی رعایت کی ہے کہ اس میں غذا کے ساتھ تفریح کا سامان بھی رکھا ہے یعنی میں نے اس میں اشعار بھی لکھے ہیں اور بہت کثرت سے ہیں۔ یعنی کتاب میں اکتالیس فصلیں ہیں اور ہر فصل کے بعد، بعد میں اشعار بھی لکھے ہیں۔

اور نہایت لذیذ اشعار عربی کے ہیں اور ان کا ترجمہ بھی ساتھ لکھ دیا ہے تو جس کا جی چاہے اس کتاب کو اپنے پاس رکھے کہ یہ انشاء اللہ اس کے لئے بہت مفید ہوگی مگر اس کو مجلسوں میں ان رسوم کے ساتھ نہ پڑھا جاوے بلکہ بطور وظیفہ کے قرآن شریف کے بعد پڑھ لیا جاوے جیسا میں نے اوپر مجنوں کی حالت ذکر کی ہے کہ ؎

گفت مشق نام لیلیٰ می کنم
خاطر خود را تسلی می دہم

تو مجنوں نے کیا لیلیٰ کی سال گرہ کی تھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کے لئے قیود کیسے وہ تو ہر وقت کا وظیفہ ہونا چاہئے۔ میں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات بہت کم کرتے تھے مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ یاد کریں تو وہ تو محب ہوں اور جو ہر

---

(۱) کتاب نشر الطیب پڑھنے کی ترغیب اور طریقہ۔

وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جاوے کیسا غضب ہے صاحبو کہاں گیا انصاف اور تدین اب چاہتے ہیں کہ ذکر بھی اگر ہو تو دوسروں کو بھی دکھلا کر ہو بھائی محبت میں دکھلانے کی کیا ضرورت ہے اپنی اولاد کے لئے انسان محبت سے کیا کچھ نہیں کرتا مگر کیا کسی کو دکھلاتا ہے۔ غرض یہ معمول کرلو کہ اس کتاب کے دو چار ورق روز پڑھ لیا کرو یا اگر خود پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے سن لیا کرو اور گھر میں روزانہ پڑھ کر سنایا کرو اور عمر بھر اسی طرح معمول رکھو دیکھیں تو کون منع کرتا ہے تم تو اپنے ہاتھ منع کراتے ہو۔ صاحبو یہ تو ذکر مستحب ہے (گو عشاق کے نزدیک فرض عشقی ہے مگر فتویٰ کے رو سے تو مستحب ہی ہے) نماز بھی جو کہ فرض ہے از روئے فتویٰ بے ڈھنگی پن سے پڑھی جاوے تو اس سے بھی منع کیا جاوے گا۔

آیت صدر کو بیان کے لئے اختیار کرنے کی دوسری وجہ :

مشروع طور پر ذکر کرنا خود قرآن سے ثابت ہے دیکھو اسی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف ہے اور میں نے اسی لئے اس آیت کو اس وقت پڑھا ہے کہ اس سے آپ کے ذکر کو بھی ثابت کر دوں اور اس کا طریق اور آداب بھی بتلا دوں پس آپ اس ذکر شریف کے برکات حاصل کیجئے ان برکات میں سے ایک برکت دفع طاعون بھی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اور بعد وعظ کے فرمایا کہ اس آیت کے اختیار کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی دوسری وجہ یہ تھی جس کو وعظ میں بیان کرنا یاد نہیں رہا کہ آپ کے ذکر ولادت کے متعلق لوگوں میں آج کل بہت سے منکرات اور اختراعات شائع ہو گئے ہیں جن سے عملاً واعتقاداً لوگوں کی حالت خراب ہو گئی اور ان منکرات کا ارتکاب اب اس مہینہ میں اکثر کیا جاتا ہے اس لئے بھی ثبوت نہیں ہے (سعید) غرض آیت سے ذکر شریف بھی ثابت ہوا اور آداب بر بھی تنبیہ موجود ہے کیونکہ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے: يَهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ سو اصل غرض آپ کی بعثت سے یہ ہے کہ ہدایت ہو صراط مستقیم کی تو جو امر صراط مستقیم کے خلاف ہو گا وہ اس مقصود کے منافی اور قابل ترک ہو گا۔

منع از تخصیص وقت برائے ذکر شریف : ان ہی امور غیر مستقیمہ سے ایک تخصیص لازم بھی ہے بس بنا اس وقت کے ذکر کی تخصیص ربیع الاول کی نہیں ہے

جیسا اوپر بھی عرض کر چکا ہوں اور اس عدم تخصیص سے ربیع الاول کی فضیلت کا انکار نہ سمجھا جاوے کیونکہ فضیلت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس زمانہ فاضل کو بلا دلیل شرعی جس عبادت کے لئے چاہے خاص کر لیا جاوے۔ بس ربیع الاول میں فضیلت ہو مگر اس کی تخصیص ذکر نبوی کے لئے ثابت نہیں جیسے جمعہ کے روزہ کی تخصیص کی ممانعت حدیث میں آئی ہے باوجودیکہ اس کے فضائل بھی وارد ہیں چنانچہ حدیث میں اس کی فضیلت میں آیا ہے : فِيهِ وُلِدَ آدَمُ وَفِيهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيهِ هَبَطَ اِلَى الْاَرْضِ اور اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ ہبوط الی الارض میں کونسی نعمت ہے جو اس کو دلائل فضیلت میں ذکر فرمایا یہ تو بظاہر نہایت درجہ تکلیف ہے تو اس شبہ کا جواب عارفین سے پوچھئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بھائی اگر حضرت آدمؑ جنت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد میں سے کوئی نہ نکلتا کیونکہ جو ممانعت ان کو ہوئی تھی چونکہ وہ شجرہ قابل نہی کے تھا وہی ممانعت ان کی اولاد کو بھی ہوتی اور یہ ظاہر ہے کہ اس ممانعت کے خلاف بھی بہت لوگ کرتے نتیجہ یہ ہوتا کہ نکالے جاتے اور اخراج ایسی حالت میں ہوتا کہ جنت خوب آباد ہوتی وہاں اس کے ماں باپ بھائی بیٹے بیوی بھی ہوتے ان سب سے علیحدہ کر کے اس کو دنیا میں بھیجا جاتا تو جنت میں ایک کہرام مچ جاتا تو جنت مثل دوزخ کے ہو جاتی اس لئے اللہ میاں نے وہاں سب کو رخصت فرما دیا یہ مصلحت تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے حق میں ہے کہ جنت میں تکلیف ہونے سے سخت تکلیف ہوتی۔

آدم علیہ السلام کا جنت سے دنیا میں نزول فرمانا نعمت ہے :

خود حضرت آدم علیہ السلام کے حق میں جو حکمت تھی اس کو حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا ہے کہ عارفوں کے لئے بڑی نعمت ہے اور معرفت کی دو قسمیں ہیں ایک علمی اور ایک عینی۔ معرفت علمی تو یہ ہے کہ صفات کمال اور اس کے آثار کا علم ہو جاوے اور معرفت عینی یہ ہے کہ اس صفت کی اثر کا مشاہدہ ہو جائے تو اس وقت آدم علیہ السلام کو معرفت علمی تو حاصل تھی۔ لیکن معرفت عینی صرف بعض صفات کی حاصل تھی جیسے کہ منعم کہ اس صفت کا اس وقت مشاہدہ ہو رہا تھا۔ لیکن بعض صفات کا مشاہدہ اس وقت نہ تھا مثلاً ثواب کہ اس صفت کے معرفت علمی تو حاصل تھی۔ باقی معرفت عینی حاصل نہ تھی اور معرفت عینی افضل ہے معرفت علمی سے تو جنت میں علیحدہ کر کے خدائے

تعالیٰ کو حضرت آدم کی تکمیل عرفان کی مقصود تھی پس یہ اخراج حقیقت میں عقوبت نہ تھی تکمیل تھی اور بعض قرائن سے آدم علیہ السلام کو اس کا کچھ پتہ بھی چل گیا تھا چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام کی ناک میں روح داخل ہوئی تو آپ کو چھینک آئی ارشاد ہوا کہ کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور فرشتوں کو حکم ہوا کہ کہو یَرْحَمُکَ اللّٰہُ تو بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روئے اور کہا کہ دعائے رحمت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی لغزش ضرور ہوگی اور توبہ کے بعد رحمت ہوگی اور اس کمال معرفت کی مصلحت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے اتنا بخار چڑھتا تھا جتنا دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ کیونکہ جس اسم کا یہ مظہر ہے اس کے معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علیٰ وجہ الکمال عطا فرمائی تھی غرض آدم علیہ السلام کا جنت سے آنا بھی نعمت ہے پس یہ بھی وجوہ فضائل جمعہ سے ہوا تو دیکھئے جمعہ کے بارے میں باوجودیکہ یہ فضائل خود حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس دن میں تخصیص صوم کی ممانعت ہے۔

ماہ ربیع الاول کے فضائل اور یہ کہ ان فضائل سے تخصیص اس کی پھر بھی ممنوع ہے : ربیع الاول کے فضائل تو منصوص بھی نہیں تو اس میں تخصیص ذکر کی اجازت کیسے ہوگی مگر پھر مکرر کہتے ہیں کہ باوجود اس منع تخصیص کے اس ماہ کی فضیلت کے ہم منکر نہیں فضیلت اس میں ضرور ہے اگر اس میں فضیلت نہ ہوتی تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیوں کئے جاتے جیسے جمعہ میں حضرت آدمؑ کے تین واقعے ہیں ایسا ہی یہاں بھی تین واقعے ہیں۔ ایک ولادت شریفہ کہ بالاتفاق اسی ماہ میں ہے مشابہ ولادت آدم علیہ السلام کے اور دوسری بعثت بعض روایات پر کہ مشابہ دخول جنت آدم علیہ السلام کے ہے اور تیسری وفات شریف کہ ماہ اور یوم تو علی الاتفاق عین زمانۂ ولادت شریفہ ہے اور تاریخ بھی علی الاشہر وہی ہے جیسا تیسرا واقعہ وہاں ہبوط تھا کہ مشابہ وفات کے تھا غرض اس ماہ کے لئے یہ فضائل ضرور ثابت ہیں اور اسی ولادت شریفہ کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے

لھذا الشھر فی الاسلام فضل
ومنقبة تفوق علی الشھور

ربیع فی ربیع فی ربیع
ونور فوق نور فو ق نور

اول ربیع سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرا ربیع ہے موسم بہار اس وقت یہ موسم تھا یا یہ کہا جاوے کہ آپ کے پیدا ہونے سے بہار ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس سنہ کو لوگوں نے سنة الفتح والابتهاج کہا ہے اور تیسری ربیع سے مراد ہے مہینہ اور دوسرے مصرعہ میں نور فوق نور الخ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں کہ آپ میں انوار مجمعہ متزائدہ تھے تو یہ فضیلت اس ماہ کو حاصل ہے خواہ وہ فضیلت اس طرح ہو کہ اس ماہ کو پہلے سے فضیلت عطا ہو گئی تھی اور اس ماہ کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے حضور کی ولادت شریفہ کے لئے اس کو خاص فرمایا۔ رہی یہ بات کہ اس کو کیوں فضیلت عطا ہوئی تھی سو اس کی علت ہم کو معلوم نہیں خدائے تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جس چیز کو چاہیں فضیلت عطا فرماویں۔

دوشنبہ اور جمعہ کی فضیلت میں دو اعتبار : اسی طرح دوشنبہ کے دن میں فضیلت پہلے سے ہو اور بوجہ ان دنوں کے ذی فضیلت ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں پیدا کیا گیا ہو جیسے جمعہ میں فضیلت پیدا کر کے حضرت آدم علیہ السلام کو اس میں پیدا کیا گیا اور خواہ وہ فضیلت اس طرح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اس میں ہوئی ہے اس تلبس سے اس کو فضیلت حاصل ہو گئی ہے اور ایسا ہی احتمال جمعہ میں بھی ہے کہ خود ولادت آدم علیہ السلام اور دیگر واقعات سے اس میں فضیلت آ گئی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے سے فضیلت ثابت ہو اور ان واقعات کو علامت کے طور پر ذکر فرمایا ہو تو ایک احتمال پر یہ واقعات دلیل ہی ہوں گے فضائل کے دوسرے احتمال پر دلیل انی علیٰ هذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن روزہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ اس میں بھی دونوں احتمال ہیں کہ چونکہ میری ولادت اور بعثت سے اس میں فضیلت آ گئی ہے اس لئے روزہ رکھتا ہوں یا یہ کہ یہ دن پہلے سے فضیلت کا ہے جس کی علامت یہ ہے کہ فِيهِ وُلِدْتُ وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ اس فضیلت سابقہ کی وجہ سے روزہ رکھتا ہوں تو دونوں احتمال دونوں جگہ ہیں اور اصل مقصود ثبوت فضیلت میں ہر دو مفید ہیں خواہ وہ فضیلت سبب ہو یا

مسبب ہو خوب کہا ہے

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف
گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اس نے کھینچ لیا یا میں نے مگر دراصل یعنی قرب تو حاصل ہو گیا۔ علیٰ هذا یہ اس کی فضیلت کا سبب ہو یا وہ اس کی فضیلت کی علامت ہو۔ دونوں میں کچھ مضائقہ نہیں مگر قابل تعرض کے ایک اور بات ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ وُلِدْتُّ فِيْهِ سے بعض لوگوں نے اور کیا کہوں بعض لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ہوائے نفسانی کے لئے محض بہانہ ہی ڈھونڈھا کرتے ہیں جیسے حضرت مولانا محمد قاسمؒ صاحب نے شائقان متعہ کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ متعہ کے لئے بہانہ ڈھونڈھتے ہیں جہاں میم، تے، عین، ان کو ملا اور انہوں نے اس سے متعہ ثابت کیا اور فرمایا کہ اگر ایسا ہی ستا ہے تو شیخ سعدیؒ کے اس شعر میں بھی یہی مراد ہوگا

تمتع ز ہر گوشہ یافتم

اور میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید میں رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ میں بھی یہی مراد ہوگا کہ انسان اور جن آپس میں تمتع کرتے تھے تو بعض لوگوں نے جو یہ حدیث سنی تو اس کو اپنا ایک غلطی کا سہارا بنالیا اور وہ ہے تو پرانا خیال مگر اب اس میں ایک نیا رنگ قومیت کا چڑھا ہے۔

رسم میلاد النبیؐ کے بے اصل بدعات ہونا اور بدعات کی حقیقت مختلف پہلوؤں سے : جب سے یہ نئی جماعت بڑھی ہے اس وقت سے ہر امر میں ایک قومیت اور تمدن کا رنگ پیدا ہو گیا ہے اور وہ غلطی عید میلاد النبی کی ایجاد ہے اور یہ پہلے سے بھی لوگوں میں رائج تھا کہ اس میں کپڑوں کا بدلنا اور مکان سجانا احباب کو جمع کرنا اور ذکر شریف کا رسم کے طور پر اہتمام کرنا اطیبہ یا شیرینی کا انتظام کرنا یہ سب کچھ ہوتا تھا مگر اب کے تو تعلیم یافتوں نے اس میں ایک اور سیاسی نیا رنگ بنایا ہے اور میں کیا کہوں اب کی مرتبہ قصہ نئے رنگ کا بعض قدیم الخیال لوگوں کا سننے میں آیا ہے یعنی ایک جگہ ذکر میلاد ہوا تو یہ اعلان کیا گیا تھا کہ اخیر شب میں ہوگا جو عین وقت ولادت شریفہ کا ہے۔ چنانچہ اخیر شب میں لوگ جمع ہوئے اور عین طلوع فجر کے وقت ذکر

ولادت شریفہ ہوا صاحبو کیا یہ امور قابل منع کے نہیں ہیں صاحبو آپ تو اس کی ممانعت سے وحشت کرتے ہیں جس کی کوئی اصل بھی قرآن وحدیث میں نہیں حضرت عمرؓ نے تو اس درخت کو کہ جس کی گونہ فضیلت خود قرآن مجید میں موجود ہے لَقَدْ رَضِيَ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ محض اس لئے جڑ سے کٹوادیا تھا کہ لوگ اس کی زیارت کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تھے۔ صاحبو اساطین دین ہیں وہ دین کی خرابی پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے وہ محض اپنی بدنامی کے خوف سے ہرگز خاموش ہو سکتے اگر چہ ان سے کوئی ناراض ہو اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ حق سن کر کوئی ناراض نہیں ہوتا اگر سمجھا کر کہا جاوے زیادہ تر جو لوگ ناراض ہوتے ہیں اس کی اکثر وجہ یہ ہوتی ہے کہ ناصح ادھوری بات کہتے ہیں جس سے عوام سمجھتے ہیں کہ یہ بالکل اصل کے منکر ہیں پوری بات کہنے والے سے کوئی نہیں بگڑتا اور اگر کوئی پوری بات کہنے پر بھی بگڑے تو اس میں خود زیغ (۱) ہے اس کی ایسی حالت ہے جیسے یرقانی کی کہ اس کو ہر چیز زرد یا سیاہ نظر آتی ہے۔ غرض اس حدیث سے بعض لوگ عید میلاد النبی کو ثابت کرتے ہیں اور یہ تھی پہلے سے لیکن امسال اس پر ایک نیا سیاسی رنگ چڑھا ہے کہ بارہ ربیع الاول کو اہتمام کے ساتھ سب جمع ہوں اور جمع ہو کر دعا کریں مسلمانوں کی فلاح کے واسطے دعا بہت اچھی چیز ہے مگر ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ دین میں ایک چیز کا بڑھانا کہ جمع کے لئے یہ تاریخ معین کی جاوے کیسے جائز ہو گیا کہتے ہیں کہ اس میں دین کی شوکت ہے مجھ سے ایک مولوی صاحب نے کہا کہ تعزیوں کو منع نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس میں کرتب دکھانے سے مشق ہو جاتی ہے اور شجاعت کی تحریک ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک جنٹلمین صاحب نے فرمایا کہ شب برأت میں آتش بازی وغیرہ سے منع نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس سے بہادری کی اسپرٹ محفوظ رہتا ہے اللہ اکبر کس قدر بے حسی غالب ہو گئی ہے اور لوگوں کی عقول کیسی ماؤف ہو گئی ہیں اگر ان کے قبضہ میں دین ہوتا تو یہ حضرات خدا جانے اس میں کیا کچھ کتر بیونت کرتے۔ صاحبو تمہارے اوپر ایک شرعی قانون حاکم ہے تم کو اس کا اختیار ہرگز نہیں کہ تم خود کوئی قانون بنالو مگر جو قانون تمہارے پاس ہے اس پر عمل کرنے کا حکم تم کو ہے۔ دیکھو بہت سے قانون ایسے ہیں کہ وہ حکام کو مفید ہو سکتے

---

(۱) کجی ۱۲

ہیں لیکن اگر کوئی شخص تعزیرات ہند چھپنے کے وقت آخر میں مثلاً یہی ایک دفعہ بڑھاوے کہ جو شخص حکام کے نام کے ساتھ جناب کا لفظ نہ کہے گا۔ اس پر پچاس روپیہ جرمانہ ہوگا تو تصحیح قانون کے وقت جب اس زیادتی کی اطلاع ہوگی فوراً اس شخص کے نام وارنٹ جاری ہوگا۔ اوراسی مثال سے بدعت کے معنیٰ بھی انشاء اللہ آپ کی سمجھ میں آجاویں گے۔ وجہ اس کے جرم ہونے کی یہ ہے کہ قانون کا بنانا صاحب سلطنت کا کام ہے تو جب کسی شخص نے کوئی قانون بنایا تو اگرچہ وہ قانون سراسر مفید حکام ہی کیوں نہ ہو لیکن در پردہ اس مقنن نے اپنے صاحب سلطنت ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بدعت سراسر مسلمانوں کے لئے بزعم موجد نافع ہی ہو لیکن دین سے زائد ہو تو وہ ایسی ہی ہے جیسے کہ یہ قانون بڑھانا تو اس کی وہی سزا ہوگی۔ یہ جواب ہے ان لوگوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ فلاں بدعت میں یہ مصلحت ہے۔ صاحبو اس میں تو خدا اور رسولؐ پر سخت اعتراض لازم آتا ہے کہ فلاں امر نافع تھا۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے اس کو دین میں نہیں رکھا (نعوذ باللہ منہ) غرض عید میلاد النبی پر آج کل یہ رنگ چڑھایا گیا ہے اور مقصود اس سے وہی اظہار شوکت قومی ہے لیکن ہمارا مذہب تو تفویض الی الشرع ہے ؎

بے حکم شرع آب خوردن خطاست
وگر خون بفتویٰ بریزی رواست

رہی دعا تو نمازوں کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور دعا کے لئے جو جلسے کئے جاتے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے لوگ جمع ہوتے ہیں کہ وہ نماز بھی نہیں پڑھتے بس محض اس واسطے کہ اپنا نام ہو اور بعض محض اقتضائے طبیعت کی وجہ سے کہ ان کی طبیعت میں اس قسم کے کاموں کا جوش پیدا ہوتا ہے لیکن شریعت مطہرہ نے ہم کو نرا جوش نہیں سکھلایا۔ اس جوش کی کیا انتہا ہے کہ بعض نے قربانی ہی کو حذف کر دیا۔ صاحبو ہم کو شریعت نے جوش سے زیادہ ہوش کا حکم دیا ہے یہ تو انگریزی خوانوں کا قصہ تھا جو غریب اپنی اس ایجاد کا اس سے زیادہ جواب نہیں دے سکتے کہ اس میں قومی مصلحت ہے مگر کوئی شرعی دلیل نہیں بیان کرتے تو اس سے پھر بھی گمراہی کم ہوتی ہے لیکن یہ عربی پڑھے لکھے جو بگڑے تو انہوں نے ایک جواب شرعی بھی تیار کر لیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ذَالِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ

وُلِدْتُ فِیْهِ اس سے اس دن کا مبارک ہونا معلوم ہوا۔ اور اس کی فضیلت ثابت ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں روزہ بھی ثابت ہے جس سے ثابت ہوا کہ زمانہ ولادت نبویہ یوم العبادت ہے تو جب ایک عبادت اس میں ثابت ہے اور دوسری کو بھی کہ فرحت و سرور بالنعمۃ ہے اس پر قیاس کرلیا جاوے گا اور وہ دوسری بھی ثابت ہوجاوے گی لیکن ہم کو دونوں مقدموں میں کلام ہے اس میں بھی کہ روزہ اس لئے رکھا تھا کہ روزہ اس لئے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلت ہے اور یوم الولادۃ ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز فرمایا گیا ہو۔ اور اس پر کہ روزہ کا سبب اس یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس روز میں اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو تو معلوم ہو کہ یوم دوشنبہ پہلے سے یوم العرض ہونے کے سبب ذی فضیلت ہے اور اسی وجہ سے اس میں آپ کی ولادت بھی متحقق ہوئی جیسے دسویں محرم کی کہ اس میں حضرت حسینؓ کو شہادت ہوئی لیکن وہ دن آپ کی شہادت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ اس کے ذی فضیلت ہونے کی وجہ سے اس میں آپ کو شہادت واقع ہوئی اور اگر ثابت بھی ہوجائے کہ فضیلت اسی وجہ سے ہے یا دونوں کو سببیت میں من وجہ دخل ہے تو زیادہ سے زیادہ اسی قدر تم بھی کرلو جو حضورؐ سے ثابت ہے اور اگر قیاس ایسا ہی عام ہے تو چاہئے کہ مکہ والے ہر دوشنبہ کو حج کرلیا کریں کہ جب روزہ ثابت ہے حج کو بھی قیاس کرلیں حضرات قیاس کرنا آپ کا کام نہیں ہے اگر قیاس ایسا سستا ہے تو غیر مقلدوں کو ہرگز برا نہ کہو غیر مقلد اس کو نہیں کہتے ہیں جو اپنے کو غیر مقلد کہے بلکہ آج بلا ضرورت شرعیہ جو لوگ قرآن و حدیث سے استخراج کی کوشش کرتے ہیں یہ سب غیر مقلد ہی ہیں اور لطف یہ کہ سب سے زیادہ یہی لوگ غیر مقلدوں کے دشمن ہیں۔ غرض جو شخص اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الھدایۃ، کذا فی الدر المختار نہ کہے بلکہ خود دعوئ استنباط کا کرے بس وہ غیر مقلد ہے صاحبو علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ چوتھی صدی سے اجتہاد منقطع ہے ہمارے لئے اسلم یہی ہے کہ جو بات ہم کو پیش آوے اس کو ہدایہ میں دیکھیں یا درمختار میں اور اس کا پتہ نہ ہدایہ میں ہے نہ درمختار میں، محض ایک مسلمان بادشاہ کی ایجاد ہے اس نے عیسائیوں کو توڑ پر ایجاد کیا تھا کہ جیسے ان کے ہاں

بڑے دن میں خوشی اور رونق ہوتی ہے اسی طرح ہم بھی کریں خیر اس کے اہتمام سے گو وہ سنت کے خلاف تھا مگر یہ غرض تو حاصل تھی اور اب تو وہ بھی نہیں کیا دو آنہ کی مٹھائی تقسیم کر دینے سے یا چند آدمیوں کے جمع ہو جانے سے ان کا توڑ ہو سکتا ہے اور اصل تو یہ ہے کہ اس بادشاہ کی یہ رائے ہی غلط تھی اسلام کو ان عارضی شوکتوں کی ضرورت نہیں ہے اسلام کی تو وہ شوکت ہے کہ جب حضرت عمرؓ ملک شام میں تشریف لے گئے اور وہاں لوگوں نے نیا لباس بدلنے کے لئے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ صاحبو! اگر ہم سچے مسلمان ہیں تو ہماری عزت سب کے نزدیک ہے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ ایک معمولی وضع میں رہتے تھے مگر لفٹننٹ گورنر ان کے سلام کو آئے تھے۔ حضرت خالدؓ ہامان ارمنی کی مجلس میں تشریف لے گئے تھے وہاں حریر کا فرش بچھا ہوا تھا، حضرت خالدؓ نے اس کو ہٹا دیا، ہامان نے کہا اے خالدؓ میں نے تمہاری عزت کی تھی لیکن تم نے اس کو قبول نہیں کیا آپ نے فرمایا کہ اے ہامان تیرے فرش سے خدا کا فرش اچھا ہے۔ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر کے استعمال سے منع فرمایا ہے تو کیا اس حریر کے ہٹا دینے سے ان کی شوکت کم ہوئی یا اور بڑھ گئی مسلمانوں کی عزت یہی ہے کہ ہر موقع پر کہدیں کے ہم کو فلاں کام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مگر آج لوگ اسلام کے احکام ظاہر کرنے کو ذلت سمجھتے ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ میں نے ریل میں نماز اس لئے نہیں پڑھی کہ وہاں سب ہندو ہی تھے۔ دیکھ کر اسلام پر ہنستے اِنَّا لِلّٰهِ الخ ایک وہ وقت تھا کہ ہر بات میں قرآن وحدیث زبان پر آتا تھا۔ حتی کہ جب صحابہؓ کرام نے روم پر حملہ کیا ہے تو وہاں کے عیسائیوں نے کہا کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور ہم بھی اہل کتاب ہیں تو ہم میں تم میں ایسا زیادہ اختلاف نہیں ہے بہتر ہے کہ تم اول مجوس فارس سے لڑو کہ وہ مشرک ہیں واقعی شاید اس سوال کا جواب نہ دے سکتے۔ لیکن صحابہؓ کرام نے فوراً ارشاد فرمایا کہ ہم کو حکم ہے قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ اور تم ان کی نسبت نزدیک ہو وجہ یہ ہے کہ ان کے قلب میں قرآن بسا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا ہامان ارمنی سے کہ تیرے فرش سے خدا کا فرش افضل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے پہلے سے ہے اور آج تک چلا آتا ہے نہ دھونا پڑتا ہے نہ کچھ بلکہ اور ناپاکی کو بھی پاک کر دیتا ہے یہ وہ فرش ہے کہ حضرت بشر حافیؒ نے

جب سنا کہ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا تو جوتہ نکال کر پھینک دیا کہ خدا کے فرش پر جوتہ لے کر نہ چلنا چاہئے آخر تمام درند چرند کو حکم ہو گیا کہ جہاں بشر حافی جاویں وہاں وہاں بیٹ نہ کرنے پاویں صاحبو ہماری عزت سامان سے نہیں ہے۔ اگر ہے تو بے سروسامانی سے ہماری عزت ہے یہ بے سروسامانی کی وہ عزت ہے کہ ؎

زیر بارند درختان کہ ثمرہا دارند
اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر ماست کہ با حسن خدا داد آمد

اور سنئے واقعی سچ ہے اگر آدمی غور کرے تو بدعت کی حقیقت کو سمجھ سکتا ہے جونپور میں ایک صاحب نے دسویں ایجاد کی تھی کہ وہ ہر مہینہ کی دسویں تاریخ کو شہادت نامہ پڑھواتے تھے نیت تو یہ تھی کہ لوگ شیعوں کی مجالس میں شریک نہ ہوں لیکن ان کا یہ مقصود بھی حاصل نہ ہوا لوگ اس سے فارغ ہو کر شیعوں کی مجالس میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میاں چلو ان کمبختوں کے ہاں بھی دیکھ آویں کیا ہو رہا ہے یہ ہیں بدعت کی مصالح۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مصالح واقع میں مصالح ہیں تو خدائے تعالیٰ نے باوجود ان مصالح کی رعایت نہ کرنے کے یہ کیوں فرمایا تھا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اذکار و اشغال ہیئات و قیود خاصہ بھی تو درمختار میں نہیں ہیں تو سمجھو کہ اذکار و اشغال خاصہ سے غرض تحصیل ثواب نہیں ہے بلکہ مقصود ان سے خاص کیفیات کا طبیعت (۱) میں پیدا کرنا ہے مثل تقلیل خطرات و جمعیت و یکسوئی گو پھر ان سے عبادت میں کام لیا جاوے ان کی حالت مثل ادویہ طبیہ کے ہے کہ کوئی دوا بخار کو دافع ہے اور کوئی کھانسی کو نافع ہے تو مقصود ان سے تحصیل کیفیت صحت ہے پھر چاہے وہ ذریعہ عبادت کا بن جائے اور تجربہ ہے کہ وہ کیفیات ان خاص طریقہ سے حاصل ہوتی ہے تو جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہم کو ان کو نافع عاجل کے لئے کرتے ہیں اور ان کو مثل ادویہ طبیہ کے سمجھتے ہیں مثلاً حبس دم کو ہرگز عبادت نہیں سمجھتے بلکہ تدبیر سمجھتے

---

(۱) اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ محققین کیفیات کو غیر مقصود کہتے ہیں سو ان کا مطلب یہ ہے کہ مقصود بالذات نہیں ہے۔۱۲

ہیں جمع طبیعت کی بخلاف بدعات متعارفہ کے کہ وہ کی جاتی ہیں تحصیل ثواب کے لئے اور حبس دم وغیرہ تحصیل کیفیات کے لئے کی جاتی ہے اور یہ نفع ان کا مشاہد ہے پس چونکہ اس کو دین سمجھ کر (۱) نہیں کیا جاتا ہے اس لئے اس کے در مختار میں ہونے کی ضرورت ہے اور جب کہ یہ در مختار وغیرہ میں نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت ہیں لغو ہیں خلاصہ یہ ہوا کہ ہر حکم کے ثبوت کا مدار شریعت پر ہے پس حدیث سے اتنا ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا تو تم بھی اتنا ہی کرلو باقی عید میلاد النبی وغیرہ یہ کوئی چیز نہیں ہے یہ تو تھے دلائل شرعیہ۔

عید ولادت یا ماتمِ وفات نہ منانے کا ایک لطیف نکتہ : میں ایک اور دلیل بیان کرتا ہوں کہ جو بطور الہامی دلیل کے ہے اور اس کے بیان سے کچھ فخر مقصود نہیں بلکہ امر جو شریعت کے خلاف نہ ہو اور کہیں مدون بھی نہ ملا ہو اور وہ القاء ہو قلب میں تو اس کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے الہام سمجھا جاوے گا وہ یہ ہے کہ عجیب اتفاقی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم ولادت و وفات اور ماہ ولادت و وفات بالاتفاق اور دونوں کی تاریخ بھی علی المشہور ایک ہی ہے تو عجب نہیں کہ اس اتحاد میں اس طرف اشارہ ہو کہ کوئی شخص اس دن کو نہ یوم العید بناوے اور نہ یوم الحزن۔ کیونکہ اگر کوئی اس کو یوم العید بنانا چاہے تو وفات کا خیال مانع خوشی ہو جائے اور اگر کوئی یوم الحزن بنانا چاہے تو ولادت شریفہ کا خیال مانع رنج ہو جائے تو اس سے بھی اس دن کے یوم العید ہونے کی جڑ کٹ گئی اور چونکہ ان دونوں واقعوں سے زیادہ کوئی واقعہ سرور وحزن کا نہیں ہے جب ان ہی کے زمانہ کو یوم العید و یوم الحزن بنانے کی جڑ کٹ گئی تو اور واقعات کے ازمنہ کے لئے تو بدرجۂ اولیٰ۔ اگر شرعی دلائل موجود نہ ہوتے تو ہم اس دلیل کو کوئی چیز نہ سمجھتے لیکن چونکہ اب یہ شریعت کے موافق ہے اس لئے ہم اس پر خدا کا شکر کرتے ہیں۔ غرض وہ شبہ جو حدیث ذالك اليوم الذى ولدت فيه سے ہوا تھا اب زائل ہو گیا ہوگا۔ یہ ہے ہمارا کلام اس مسئلہ کے متعلق۔

---

(۱) اور اس پر یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ اگر کسی بدعت کو دین نہ سمجھیں بلکہ دنیاوی شوکت کے لئے کریں تو کیا حرج ہے بات یہ ہے کہ ہوگی تو وہ دین ہی کی شوکت گونی الدنیا ہو اور اظہار شوکت دین عبادت ہو پس وہ ہر حالت میں دین ہو گیا۔ ۱۲ منہ

نفس ذکر شریف کا تاکد : باقی نفس ذکر قطع نظر رسوم سے تو خدانخواستہ ہم اس کا انکار کیسے کر سکتے ہیں ہم تو کہتے ہیں کہ اس کو وظیفہ کے طور پر کرو۔ قرآن ہی میں اس کا وظیفہ ہونا جگہ جگہ مذکور ہے۔ لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور قَدْ جَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ علیٰ ھذا اور بہت جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے تو جو شخص روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے وہ ایک دو آیت آپ کے ذکر شریف کی ضرور پڑھتا ہے تو کیا ایسا شخص منکر ہوگا اور دیکھئے جہاں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے وہیں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی ہے علیٰ ھذا نماز میں بھی تشہد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور تشہد کے بعد تو درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر شریف زیادہ تر ہے تو نماز اور قرآن سبھی آپ کے ذکر سے بھرا پڑا ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ تو کون ظالم ہے کہ وہ کسی کو منع کرنے والا کہے لیکن حدود سے باہر نہ نکلو۔ نماز پڑھو۔ لیکن قبلہ کی طرف منہ کر کے پڑھو۔

آیت صدر قد جاء کم الخ کی تفسیر اور ختم وعظ : پس منجملہ ان آیات کے ایک یہ آیت بھی ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے اور اس کی ایک تفسیر یہ ہے جو میں نے ذکر کی کہ نور سے مراد حضور ہوں اور اس تفسیر کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا فرمایا ہے تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جَآءَ كُمْ کا فاعل ایک ہو دوسرے پر قَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلُنَا کے ساتھ جو آپ کی شان بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ یعنی آپ کو مبین و مظہر فرمایا ہے اب سمجھئے کہ نور کی حقیقت سے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے ہوں اور اس کے آگے قرآن کی شان میں فرماتے ہیں كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ تو کتاب کو تو آلۂ اظہار فرمایا اور آپ کو يُبَيِّنُ میں خود مظہر فرمایا۔ پس یہ قرینہ ہے تفسیر بالا کا اور گو کتاب بھی ظاہر کرنے والی ہوتی ہے مگر اس میں آیت کی شان زیادہ ملحوظ ہوتی ہے۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ کتاب میں بھی ظہور اور اظہار دونوں ہوتے

ہیں اور نور میں بھی دونوں ہوتے ہیں لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور پر جب اول بار نظر ہوتی ہے تو یہ نیت اور خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ خود نظر آیا مثلاً نور سے کتاب دیکھی تو اس طرف ذہن بھی نہیں گیا کہ ہم کو اول نور نظر آیا ہے پھر اس کے ذریعہ سے کتاب نظر آئی بلکہ اس میں اول ہی سے مظہر کی شان ظاہر ہوتی ہے برخلاف کتاب کے اول یہی نیت ہوتی ہے کہ وہ خود سمجھ میں آویں پھر سمجھ میں آنے کے بعد ان مضامین سے دوسری جگہ کے احکام منکشف کئے جاتے ہیں تو نور کی شان میں تو اظہار غالب ہے اور کتاب میں ظہور غالب ہے تو یَهْدِی بِهِ اللّٰهُ کتاب کے زیادہ مناسب ہے اور نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مناسب یہ ہے وجہ ترجیح مگر اس میں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا تو یہاں برہان سے مراد غالباً بہ قرینہ جَآءَكُمْ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور نور سے مراد غالباً بہ قرینہ اَنْزَلْنَا قرآن ہے اور یہی نور وہاں بھی آیا ہے اور اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهٗ بَعْضًا تو جواب اس کا یہ ہے کہ ہم یہ کب دعویٰ کرتے ہیں کہ جہاں لفظ جَاءَ ہو وہاں اس کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے ممکن ہے کہ یہاں جَاءَكُمْ کی اسناد کتاب کی طرف مجازاً ہو مگر جہاں اسناد حقیقی بن سکے وہاں اس کو کیوں نہ اختیار کیا جائے۔ اور یہاں یعنی قَدْ جَاءَكُمْ نُوْرٌ میں ہوسکتا ہے۔ بس یہاں یہی مناسب ہوگا۔ دوسرے ہم اَنْزَلْنَا سے بھی رسول ہی مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا بدل بطور تفسیر ہے۔ ذکراً سے یہاں بھی انزلنا کا معمول لفظ رسولاً واقع ہوا ہے پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار نہیں رہا۔ خیر یہ تو طالب علموں کے کام کی ایک بات تھی۔ مقصود یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بطور امتنان کے فرمایا ہے تو اس سے ہم کو سبق لینا چاہئے کہ ہم ایک تو روزانہ ذکر کیا کریں اور اگر کوئی کہے کہ قرآن کریم کی تلاوت میں آہی جاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مجمل ہوتا ہے اس سے اکثر تفصیل نہیں سمجھ سکتے۔ دوسرا یہ سبق لینا چاہئے کہ اس امتنان کے بعد یہ ارشاد ہے کہ ان سے ہدایت ہو اور ابا نہ ہو۔ اور اگر یہ حاصل نہیں کیا تو محبت نہیں ہے اسی کو کہتے ہیں

تُعْصِیُ الرَّسُوْلَ وَاَنْتَ تَظْهِرُ حُبُّهٗ
هٰذَا لَعُمْرِیُ فِیُ الْفِعَالِ بَدِیْعٌ
لَوْ کَانَ حُبُّکَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهٗ
اِنَّ الْمُحِبّض لِمَنُ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

یعنی حیرت ہے کہ تم دعویٰ حب رسول کا ذکر کرتے ہو اور پھر ان کی نافرمانی کرتے ہو اگر تم سچے محبّ ہوتے تو ضرور اطاعت کرتے کیونکہ محبّ اپنے محبوب کی اطاعت کیا کرتا ہے بس یہی بیان کرنا تھا اس وقت اس کو تو گنجائش تھی نہیں کہ مفصل حالات کا ذکر کرتا اس لئے اصول پر اکتفا کیا دوسرے میں ایک کتاب کا پتہ بھی دے دیا ہے مفصل ذکر کو جس کا چاہے اس کو منگا کر اپنے پاس رکھے۔

اب خدائے تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ توفیق مرضیات عطا فرمائے۔اور ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت عطا فرمائے! آمین

تمت


رسالت کی کرنیں
فاتحہ کا صحیح طریقہ
سیرۃ المصطفیٰ
دلکش تقریریں
فضائل اعمال
طب نبوی
معلم العربیۃ
آداب المعاشرت